4116125 10-12-08

Title - YAADGAAR-E-ANEES.

Creator - Ameer Ahmad Alvi

Publisher - Anwaar Al Mataba (Lucknow).

Date - 1344 H

Pages - 192

Subjects - Urdu Marsiya - Tareekh-o-Tanqeed

یادگارِ انیس

مؤلفہ

مولوی امیر احمد صاحب علوی بی اے
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و جج بینچ (چھاؤنی)

باہتمام

احقر العباد محمد حسن

در انوار المطابع لکھنؤ مطبوع گردید

۱۳۴۴ھ

ستارۂ بدرخشید و ماہ مجلس شد　　دلِ رمیدۂ ما را انیس و مونس شد
(حافظ)

یادگار انیس

مولفہ

مولوی امیر احمد علوی بی اے

باہتمام احقر العباد محمد حسن

در انوار المطابع لکھنؤ طبع گردید

مقام اشاعت انوار المطابع لکھنؤ　　قیمت عہ

بخدمتِ اقدس

حضرت استادِ معظم۔ شاعر نازک خیال۔ ادیبِ بے مثال۔ محققِ زبان ومحاورات
جناب مولوی نورالحسن نیّر بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ مولف نوراللغات
کمال ادب سے پیش کرتا ہون۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مرثیہ اور اُس کی عہد بعہد ترقی

مرثیہ کے لفظی معنی "وصف میت" ہین اور اصطلاح شعرا مین مرثیہ اُس صنف سخن کو کہتے ہین جسمین شخص متوفی کے محامد فضائل و سوانح درد و حسرت کے ساتھ بیان کیے جائین۔

درد و غم کا جذبہ تمام جذبات انسانی سے قوی تر ہے۔ حسرت و مصیبت کی کہانی عیش و شادمانی کی داستان سے زیادہ با اثر اور آنسوؤن کے تار یا گجرے کی لڑیون سے زیادہ دلکش ہین۔ رنج و آلام سے متاثر ہونا فطرت انسانی کا خاصہ ہے اسلیے مرثیہ کا اثر قصیدہ اور منقبت سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ ہر ایک مصرع دلون پر نشتر چلاتا ہے اور ہر ایک شعر آہ و زاری کا مینھ برساتا ہے۔

یون تو مرثیہ ہر ایک مصیبت اور تباہی پر کہا جا سکتا ہے۔ دہر تراشت کا نوحہ کوروُن کی تباہی پر۔ سہراب کی ماں کا ماتم بیٹے کے قتل پر۔ شیخ سعدی کا مرثیہ ملک مستعصم کے زوال پر اس قابل ہے کہ "آسمان خون ببارد بر زمین"

عجم کی تذلیل پر فردوسی کا ایک مصرع "تفو بر تو اے چرخ گردان تفو" اور دارا کی موت پر نظامی کا ایک شعر "نسب نامۂ دولت کیقباد؛ ورق بر ورق ہر سوئے بُرد باد"

ہزار داستان حرمان وقلق کا خلاصہ ہے لیکن ہمارے مُلک مین مرثیہ کا اطلاق زیادہ تر حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے رُفقا کے احوال شہادت پر ہوتا ہے یہ حسرت ناک واقعہ اس قدر عبرت خیز ہے کہ اگر سادہ الفاظ مین بغیر کسی عبارت آرائی کے بیان کردیا جائے تو بھی سُننے والون کے دل ہلجائین اور "گریہ بر ملا ایک ہفت آسمان فتد" اللہ! اللہ! کیسا دردانگیز منظر ہے کہ مسلمانون کے نبیؐ کا نواسہ حاکم وقت کے جبر وظلم سے عاجز آکر اپنے وطن سے جُدا ہو۔ رسول پاک کا مقدّس جوار چھوڑے مکہ کو اقامت گاہ بنائے۔ وہان بھی چین میسّر نہ آئے بعض گندم نما جو فروش حمایت ونصرت کا سبز باغ دکھا کر خانہ خدا مین بھی ٹکنے نہ دین بیوفائی اور بدعہدی کوفیون کا شیوہ ہے لیکن وہ محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہین اور محبّت حق اُن کو مسلمان سمجھکر عین موسم حج مین کعبہ سے کوچ فرماتے ریگستان عرب کی گرمی اور سختی برداشت کرتے ہوے اپنے کنبہ کی عورتون اور بچّون کو ساتھ لیے عراق کی سرحد تک پہونچتے ہین۔ ناگہان خبر ملتی ہے کہ جن بیوفاؤن نے خط اور پیام بھیج بھیجکر بلایا تھا منحرف اور برگشتہ ہوگئے اور مہمان عزیز کے خیر مقدم کے لیے تلوارین تیز ہورہی ہین۔ کوفہ کی عزیمت فسخ کی جاتی ہے۔ اور قضائے ایزدی راستہ بھُلا کر نینوا کی ہولناک سرزمین پر پہونچا دیتی ہے۔ دشمنون کا ایک عظیم الشان لشکر پہونچتا ہے۔ ہر طرف کے راستے بند کردیے جاتے ہین۔ نہر فرات کا پانی جس سے چرند وپرند تک سیراب ہوتے ہین ساقی کوثر کے فرزند کو اس قصور مین نہین دیا جاتا کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف ایک حاکم فاسق وفاجر کی بیعت کرنا گناہ سمجھتے ہین ؎

ترسم کزین گناہ شفیعان روز حشر — دارند شرم کز گنہ خلق دم زنند

جان نثارون کی جمعیت نہایت قلیل ہے جنمین سے بشتر اپنے ہی بھائی بھتیجے ہین۔ مقابلہ پر شام کی کارآزمودہ اور آراستہ فوج ہے جسکی تعداد ہزارون تک پہنچتی ہے

نتیجۂ جنگ مین شک وشبہ کی گنجایش نہین - اعوان وانصار- اعزّا واقربا سبکی موت یقینی ہے - عورتون کی اسیری اور بچّون کی یتیمی پیش نظر ہے - لیکن اُس کوہ عزم واستقلال کی ہمّت مین فرق نہین آتا - پائے ثبات کو لغزش نہین ہوتی - کھانا پانی بند ہے - معصوم بچے پیاس کی تکلیف سے تڑپ رہے ہین بنی فاطمہ پر تیسرا فاقہ ہے لیکن نانا کی اُمت کو ورطۂ ضلالت مین ڈالنا گوارا نہین - فاسق کی بیعت پر موت کو ترجیح دیتے ہین - زبان مین تاثیر ہے کہ لب ہلائین تو پتھرون سے چشمے جاری ہونے لگین - دل مین قوّت ہے کہ بہشت کی نعمتون کی خواہش کرین تو فوراً رضوانِ جنت خوان الوان نعمت لیکر حاضر ہو لیکن رضائے الٰہی پر صابر وشاکر ہین - غلامون کی محبّت بیٹون سے زیادہ ہے اس لیے دشمنون کے حق مین دعائے بد بھی نہین فرماتے اور نہ زبان مبارک کو کلمۂ شکایت سے آلودہ ہونے دیتے ہین - اعزّا اور انصار مین سے ہر ایک کی تمنّا ہے کہ سب سے پہلے مین جگر گوشۂ رسول کا فدیہ بنون - باپ کی خواہش ہے کہ پہلے مین سر کٹاؤن اور بیٹون کا داغ نہ دیکھون بیٹے بھتیجے کہتے ہین کہ جب تک ہم مین سے ایک بھی زندہ ہے آپ کو میدانِ جنگ مین جانے نہ دینگے - اُن کی شجاعت اور جوانمردی ضرب المثل ہے - نیزہ بازی اور فنون حرب کے خوب خوب جوہر دکھاتے ہین لیکن دشمن کے غول کے غول ایک ایک پر ٹوٹ پڑتے ہین اور بھائی بیٹے سب آنکھون کے سامنے مارے جاتے ہین حتیٰ کہ چھ مہینہ کا ایک شیرخوار بچہ جو تشنگی کی شدت سے خود ہی نیم جان ہو رہا تھا آغوش مبارک مین دشمنون کے تیر کا شکار ہوتا ہے لیکن اس نازک وقت پر بھی رحمت غضب سے سبقت لیجاتی ہے - سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار مین آئے - نہ شکوۂ ظلم زبان پر آتا ہے اور نہ دل یاد خالق سے غافل ہوتا ہے آخر کار دشمن نرغہ کرکے اُس صابر وشاکر کو بھی شہید کرتے ہین - سر مبارک نیزے کی اَنی پر آویزان کیا جاتا ہے ؎

آن سر کہ بود بر سر دوش نبی مدام ۔۔۔ یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین

جسد اطہر گھوڑون کی ٹاپون سے پامال ہوتا ہے خیمۂ فلک بارگاہ مین آگ لگائی جاتی ہے اہل حرم برہنہ سر اعدا کی قید مین گرفتار ہوتے ہین۔ خاندان نبوت کا ایک چراغ جو بیماری کی شدت سے جنگ کے قابل نہ تھا زندہ اسیر ہوتا ہے اور طوق و زنجیر سے مسلسل اُس گھٹے ہوے کاروان مدینہ کے ساتھ حاکم شام کے دربار مین حاضر کیا جاتا ہے

از صاحب حرم چہ توقع کنند باز ۔۔۔ آن ناکسان کہ تیغ بہ صید حرم زنند

دشمن اپنے مقتولین کی تجہیز و تکفین کرتے ہین مگر محمدؐ کے نواسے کی لاش عرصہ تک میدان کربلا مین بے گور و کفن پڑی رہتی ہے انا للہ و انا الیہ راجعون کیسا دردناک بیان ہے اور کسقدر حسرت بھری داستان!! اگر اُس عہد کا کوئی شاعر جسکا دل درد و غم سے لبریز ہوتا اس واقعہ کو نظم کرتا تو تمام دُنیاے اسلام مین آگ لگ جاتی اور "قتل حسین"[۱] سچ مچ "مرگ یزید" بن جاتا۔ عرب مین مرثیہ گوئی کا عام رواج تھا اور ایام جاہلیت ہی مین یہ فن کافی ترقی کرچکا تھا۔ عبدالمطلب جدّ رسول اللہ اور بعض دیگر نامورون کے مرثیے عربی لٹریچر مین اسوقت تک محفوظ ہین اور "حماسہ" مین ایک مستقل فصل "باب المراثی" کے عنوان سے موجود ہے۔ آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کے بعد بھی مرثیہ گوئی کو زوال نہین آیا۔ حسّان بن ثابت مدّاح رسولؐ نے شہنشاہ کونین کی وفات پر ایسے مرثیے لکھے کہ اُن کا ہر شعر مجسّم سوز و گداز ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے بھی اس سانحہ قیامت نما پر ایک دردناک مرثیہ کہا جس کے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ "مجھپر مصائب ایسے آپڑے ہین کہ یہ مصیبتین دنون پر گذرتین تو وہ رات ہو جاتے"، خلیفہ دوم نے اپنے بھائی کا مرثیہ اُس عہد کے مشہور مرثیہ گو متمم بن نویرہ سے فرمایش کرکے لکھوایا لیکن افسوس کہ امام حسینؑ پر آنسو بہانے کی

---

[۱] اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ قتل حسین اصل مین مرگ یزید ہے۔

کسی کو ہمت نہ تھی اور کربلا کے محشر خیز ظلم پر کوئی مرثیہ ایسا تصنیف نہین کیا گیا کہ زندہ رہتا۔

بنی اُمیہ کے جور و ستم نے تمام شعرا کی زبانین بند کر دی تھین۔ فرزدق نے ایک قصیدہ حضرت امام زین العابدین کی شان مین لکھا جسکے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ حضرت نے لفظ لا (کلمۂ انکار) سوائے تشہد (اشہد ان لا الٰہ الا اللہ) کبھی زبان مبارک سے نہین نکالا اور اگر تشہد لازمی نہوتا تو آپ کی ہر ایک "نہین" "ہان" ہوتی۔ اور مجمع عام کے سامنے بڑے جوش سے حاکم وقت کو مخاطب کرکے کہا کہ "تو نہین جانتا تو جان لے کہ یہ فاطمہؑ کے بیٹے ہین اور اُن کے جد پر انبیا کا سلسلہ ختم ہوا۔" بادشاہ نہایت ناراض ہوا اور شاعر کو قید کر دیا۔ اُسی جبّاری کا نتیجہ تھا کہ اُس زمانہ کے کسی مشہور شاعر نے واقعۂ کربلا نظم کرنے کی جرأت نہین کی اور عرب کی شاعری بیان مصائب اہل بیت کی سعادت سے محروم رہی۔ بنی عبّاس کے عہد مین بعض غیر مشہور شعرا نے متفرق اشعار واقعۂ کربلا کے متعلق کہے اور دعبل خزاعی نے ایک طویل مرثیہ لکھا جسکے شہرت کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ امام علی رضا علیہ السلام کے حضور مین پڑھا گیا لیکن اثر اور جوش کا اس مین پتہ نہین بلکہ اُسی زمانہ مین برامکہ کے قتل پر جو دردناک مرثیے کہے گئے تھے اُن سے اس سرمایۂ ناز و افتخار دعبل کو کچھ نسبت نہین۔

البتہ ایران کی مقدس سرزمین نے غلامی خاندان رسالت کا حق ادا کیا۔ جب اس ملک کو خودمختاری نصیب ہوئی اور اہلبیت کا نیازمند شاہ طہماسپ صفوی سریر آرائے سلطنت ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ شعرا کو ائمۂ اہلبیت کی شان مین طبع آزمائی کرنا چاہیئے۔ دفتر ازل مین یہ شرف محتشم کاشی کے لیے محفوظ رکھا گیا تھا کہ وہ مصائب کربلا پر پہلی مرتبہ ایسے دردناک الفاظ مین نوحہ کرے کہ اُسکے مرثیہ کو قبول عام اور بقاء دوام کی سند نصیب ہو۔ اُس نے چند بندون کا ایک مرثیہ لکھا جو فطرتی جذبات سے

لبریز اور درد و غم کی مجسم تصویر ہے۔ اُسکے کچھ شعر یہان نقل کیے جاتے ہین :-

(دختر زہرا امام زمان کے پیکر شریف کو خاک و خون مین غلطان دیکھ کر مدینے کی طرف رُخ کرتی اور حضرت رسول عربی کے برزخ مبارک سے عرض کرتی ہین)

پس با زبان پُر گلہ آن بضعت البتول
رو در مدینہ کرد کہ یا ایہا الرسول

این کشتۂ فتادہ بہ ہامون حسینِ تست | وین صید دست و پا زدہ در خون حسینِ تست
این غرقۂ محیط شہادت کہ روئے دشت | از موج خون او شدہ گلگون حسینِ تست
این خشک لب فتادہ ممنوع از فرات | کز خون او زمین شدہ جیحون حسینِ تست
این شاہ کم سپاہ کہ با خیل اشک و آہ | خرگاہ ازین جہان زدہ بیرون حسین تست
این قالب طپان کہ چنین ماندہ بر زمین | شاہ شہید ناشدہ مدفون حسین تست

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی مین شہرت پائی اور شوکت الفاظ کے زور سے مُلّا محتشم کی درد و تاثیر کا جواب دیا۔ فرماتے ہین :-

بلند مرتبہ شاہے ز صدر زین افتاد | اگر غلط نکنم عرش بر زمین افتاد

انھون نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات ابتدائے سفر سے اہل حرم کے قید ہونے اور رہائی پا کر مدینہ آنے تک نظم کر دیے،

پھر تو ایران مین مرثیہ گویون کا ایک گروہ پیدا ہو گیا اور سیکڑون شاعر مرثیہ کہنے لگے۔ اب ہندوستان مین فارسی شاعری سے دلچسپی بہت کم باقی ہے اس لیے مرثیہ گویان ایران کے کلام پر تبصرہ بیکار ہے

ہمارے ملک مین اُردو شاعری کی ابتدا دکن سے ہوئی اور مرثیہ گوئی کا آغاز بھی وہین سے ہوا سلاطین بیجاپور و گولکنڈہ نے سرپرستی کی۔ محمد قلی قطب شاہ (المتوفی سنہ ۱۰۲۰ھ) سلطان محمد قطب شاہ (المتوفی سنہ ۱۰۳۵ھ) اور عبداللہ قطب شاہ (المتوفی سنہ ۱۰۸۳ھ)

بادشاہان گولکنڈہ خود شاعر اور سخن سنجون کے جوہر شناس تھے۔ اُنھون نے فارسی آمیز دکنی اُردو مین دو دیوان[1] مرتب کیے۔ اس عہد کے شعرا مین سے نصرتی اور ہاشمی صاحب دیوان و قصاید تھے۔ غواصی کی مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال ابھی تک مشہور ہے۔ اور میرزان نامی ایک پاک طینت بزرگ تھے جو صرف مرثیے کہتے تھے۔ حمد و نعت و منقبت کے سوا اپنی زبان کو دوسری چیزون سے آلودہ نہین کیا۔ مگر افسوس ہے کہ اُنکے کلام کا نمونہ موجود نہین۔

گولکنڈہ کے آخری تاجدار ابوالحسن تاناشاہ شعر و سخن کے فریفتہ تھے اور اُنکے مصاحبون مین شاہ قلی خان ایک مرثیہ گو شاعر تھے جنکے اشعار ہاتھون ہاتھ دہلی اور آگرہ پہونچتے اور وہان مجالس عزا مین پڑھے جاتے

اُن کی زبان کا نمونہ یہ ہے :-

ملنا تھن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ مچ کہے

کس کس کا مُنہ موندون سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

جب زمانہ نے گولکنڈہ کا ورق اُلٹ دیا تو سپہر سخنوری پر شمس الدین ولی کے عروج و اقبال کا ستارہ چمکا جنکو صاحب تذکرہ آب حیات نے نظم اُردو کا باوا آدم

---

[1] کلام کا نمونہ یہ ہے :-

محمد قلی قطب شاہ
سدا تو مدح نبی و علی کی کہتا ہے — معنی شعر ترا تو لکھے ہین دست بدست
ہے محمد قطب شہ بارہ امامون کا غلام — مین سو علی جزو اس ٹھہرایا علی سخن دستگیر
آیت قرآن نازل جیون ہوا حضرت کے تئین — مرتضی ہین بس دو جگ سائین جیون محمد بنظیر

سلطان محمد قطب شاہ
بکر عید آیا صلوٰۃ بر محمد — آنند علم اجا یا صلوٰۃ بر محمد
انجانے مین جوانی گیا پند نا سنا — قرآن اور حدیث سون ترکیب کر کلام

عبد اللہ قطب شاہ
راز کیا یا تان بتی کے صدقے پوچھے گا اگر — شاہ عبد اللہ کو پوچھ آ کر کہ ہے حاضر جواب

[2] اس کا سن تصنیف ۱۰۳۵ھ ہے :-

برس یک ہزار ہور پنج تیس مین — کیا ختم یہ نظم دن تیس مین

قرار دیا ہے۔ اُردو شاعری اُن کے وقت سے سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی اور قریب قریب تمام اصناف سخن ریختہ مین آچکے تھے لیکن زبان صاف نہ تھی وہ ولی کے دور مین اس رتبہ کو پہونچی کہ اُن کا کلام ہمارے زمانہ مین بھی سمجھا جا سکتا ہے فرماتے ہین ؎

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین　　　جا کہو کوئی محمد شاہ سون

اے ولی رہنے کو دنیا مین مقام عاشق　　　کوچۂ یار ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

ہاتف نے یون دیا ہے مجھکو ولی بشارت　　　اُس کی گلی مین جا تو مقصد شتاب ہوگا

اُنھون نے شہداء کربلا کے احوال مین ایک مثنوی لکھ کر صاف شدہ اُردو مین مرثیہ گوئی کا بنیادی پتھر رکھا۔ مثنوی کے خاتمہ مین کہتے ہین۔

ہوا ہے ختم جب یہ درد کا حال　　　تھا گیارہ سو پہ اکتالیسوان سال [۱۱۴۱]

کہا ہاتف نے یہ تاریخ معقول　　　ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول

ولی کی پیرانہ سالی مین سودا و میر کا عنفوان شباب تھا محبان اہلبیت کو رُلانے اور مجالس ماتم مین گرمی پیدا کرنے کے لیے مرثیہ گوئی کی ضرورت تھی۔ ہر طبقہ کے شعرا توشۂ آخرت فراہم کرنے کے لیے نعت و منقبت کہتے اور انہین سے بیشتر مرثیے بھی تصنیف کرتے تھے جو چو مصرعے کہے جاتے اور مجلسون مین رونے رُلانے کے کام آتے تھے۔ سودا اور میر کے عروج سے پہلے مرثیہ کا خوب رواج ہو چکا تھا اپنے وقت کے مشہور مرثیہ گو میان مسکین کا سودا نے شہر آشوب مین تذکرہ کیا ہے ؎

استقاط حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا　　　پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے

میر تقی نے بھی مرثیہ کہا لیکن وہ اس پایہ کا نہ تھا کہ شہنشاہ سخن کے دیوان مین

شامل کیا جاتا۔

چند شعر لکھتا ہوں۔

(۱)

دلوں پر محبوں کے حالت عجب ہے — مصیبت ہے ماتم ہے غم ہے تعب ہے
غرض کیا کہوں کس روش کا غضب ہے — حسین علی کی شہادت کی شب ہے

(۲)

محبوں نے دل سے خوشی سب تجی ہے — ہر اک گھر میں ماتم کی مجلس رچی ہے
عجب طرح کی وائے ویلا مچی ہے — کہ روز قیامت کی گویا یہ شب ہے

(۳)

کوئی دل نہیں جس کو ماتم نہوگا — وہ دل دیر ہے جس میں یہ غم نہوگا
یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہوگا — قیامت میں یہ کچھ نہ ہوگا جو آب ہے

(۴)

ہے چاروں طرف ہو رہا شور محشر — زمین آسمان ہو رہا ہے تلے اوپر
حسین علی پر چلایا ہے خنجر — ہر اک جان اس غم سے خنجر طلب ہے

(۵)

بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے — یہ کشتی فلک کی لہو میں ڈبائے
ستم تشنہ لب کا کسے غم سنائے — یہ کس منہ سے کہیے کہ وہ تشنہ لب ہے

مرزا رفیع سودا نے اسکا ر دیکھا۔ تمہید میں فرماتے ہیں۔

"لیکن مشکل ترین دقائق طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ میں ربط معنی دیا۔ اس کام میں محتشم سا کسو نے عرؔ قبول نہیں پایا۔ پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھکر مرثیے کہے نہ کہ برائے گریہ عوام اپنے تئیں ماخوذ کرے۔"

مگر جب خود مرثیہ کہنے بیٹھے تو اس زمین کو ذرا بھی بلند نہ کر سکے۔ اُن کا بہترین

مرثیہ یہ ہے :-

(۱)

یارو سنو تو[۱] خالقِ اکبر کے واسطے — انصاف سے جواب دو حیدر کے واسطے
وہ بوسہ گہ بنی تھی پیمبر کے واسطے — یا ظالموں کی پرسشِ خنجر کے واسطے

(۲)

دیکھا جہان میں کافر و دیندار کا بھی بیر — انکی سی پر قساوت قلبی نہ کی میں سیر
پینے دیں آب انس سے لے تا بہ وحش و طیر — مانع ہوں ابن ساقیٔ کوثر کے واسطے

(۳)

امت ہے وہ کہ خانۂ دیں کی ہو پاسبان — یا لوٹ لیوے اپنے پیمبر کا خانمان
آتش برائے بخت و یزائی تھی در جہان — یا دینے کو وہ فاطمہ[رض] کے گھر کے واسطے

(۴)

راوی لکھے ہے خُرد و کلان رن میں جب مُوا — نیزے سے اور تیر سے سب کا لہو چُوا
شش ماہہ طفل اصغرِ معصوم تک ہوا — طعمہ عقابِ تیرِ ستمگر کے واسطے

(۵)

تنہا پھر اُس زمین پہ رہا شاہِ کربلا — اُس کا بھی تیغ ظلم سے آخر کٹا گلا
بعد اس ستم کے خیمہ ہوا موردِ بلا — غارت گردن کے ہاتھ سے زیور کے واسطے

(۶)

یا مرتضٰی علیؑ ولی حشر کا قیام — جس روز ہو عرض کیے رکھے ہے یہ غلام

---

[۱] جنت مکان مرزا دبیر کا عجز و انکسار دیکھیے ۔ کسی سوزخوان کی فرمایش سے اسی بحر میں مربع مرثیہ کہا تو مقطع میں سودا کے تفضل و تقدم کا اعتراف کیا ۔ فرماتے ہیں ۔

بس اے دبیر سینہ ہے بریان جگر کباب — سودا کے مرثیے کا تو ممکن نہیں جواب
پر فضل حق سے مرثیہ یہ بھی ہے انتخاب — کافی ہے تجھکو بخشش محشر کے واسطے

سودا کو بھولیو نہ تو اپنے ز فیض عام　　دریاے العطش کے شناور کے واسطے

سودا نے خداوند سخن کو ہدف ملامت بنایا لیکن خود بے تکلف مرثیون مین غلط الفاظ استعمال کرتے ہین۔ نہ صفائی بندش کا لحاظ ہے نہ "مرتبہ در نظر" اور نہ مضامین نو بنو کی تلاش۔ ملاحظہ ہو :-

کس سے اے چرخ کہون جاکے تری بیدادی　　جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی

ہاتھ سے کون نہین آج ترے فریادی　　یان تلک پہونچی ہے ملعون تری بیدادی

کون فرزند علیؑ پر یہ ستم کرتا ہے

کیون مکافات سے اسکے تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تھے جتنے پیارے　　دشنہ و تیغ سے ہین ظالمون کے سب مارے

اہل بیت اسکے جو باقی ہین سو ہین آوارے　　قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے

نہ انھین چین ہے دن کو نہ انھین رات آرام

اس مصیبت مین چلے جاتے ہین کربل سے شام

یہ مرثیہ مسدس ہے حالانکہ اس سے پہلے مرثیے چو مصرعے ہوا کرتے تھے۔ معلوم نہین ٹیپ لگانے کی جدت مرزا ہی کو سوجھی یا یہ شرف میان سکندر کو نصیب ہوا جو پنجاب کے رہنے والے مرزا کے ہم عصر تھے اور تلاش معاش مین لکھنؤ آبسے تھے۔ انھون نے ایک نہایت دردناک مرثیہ مسدس کے طرز مین کہا جو آج تک مجلسون مین پڑھا جاتا ہے اور یقیناً اردو زبان مین پہلا مسدس[1] ہے جسکو قبول عام کی سند ملی۔ سودا کا مرثیہ انکے دیوان مین مقید ہے

---

[1] بعض حضرات کا خیال ہے کہ اردو مین پہلا مسدس حیدر شاہ نامی ایک شاعر نے کہا تھا جنھون نے احمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد مین وفات پائی۔ اور مندرجۂ ذیل بند انکا کلام بتایا جاتا ہے۔

عزیزو آج ناموس نبی پر آفت آئی ہے　　شب رخصت ہے بہنون سے شہ دین کی جدائی ہے

خصوصاً بی بی بانو نے عجب حالت بنائی ہے　　سرہانے بی سکینہ کے کھڑی دیتی دہائی ہے

منہ اسکا چومتی ہے اور یہی کہہ کہکے روتی ہے

اور سکندر کا مرثیہ نواح لکھنؤ مین سنو برس کے بعد بھی بچہ بچہ کی زبان پر ہے -

شیر دلان پنجاب فخر کرین کہ ہندوستان مین مرثیہ گوئی کا دوسرا دور اُن کے ایک ہموطن کے کلام سے شروع ہوتا ہے اور جس عالی شان عمارت کو شعراے لکھنؤ نے "تا بہ ثریا" پہونچایا اُسکی داغ بیل میان سکندر ہی کی ڈالی ہوئی تھی !! اس مقبول مرثیہ کے چند بند یہان نقل کیے جاتے ہین -

ہے روایت شتر اسوار کسی کا تھا رسول　　اک جگہ شہر مدینہ مین ہوا اُس کا نزول
جس محلے مین کہ رہتے تھے حسینؑ ابن بتولؑ　　ایک لڑکی کھڑی دروازے پہ بیمار و ملول

خط لیے کہتی تھی پردے سے لگی زار و نزار
اودھر آ مجھکو خدا کی قسم اے ناقہ سوار

ناگہان سن شتر اسوار وہ آواز حزین　　باادب آن کے کہنے لگا پردے کے قرین
کوئی اس گھر مین دلاسے کو ترسے ہے کہ نہین　　اتنی سی عمر مین کیا دُکھ ہے کہ تو ہے غمگین

کون سی قوم کی لڑکی ہے تو بیمار صغیر
کیا ترا نام ہے اور کس کے لیے ہے دلگیر

بقیہ (صفحہ ۱۱)　　اری اُٹھ لاڈلی میری غضب کی صبح ہوتی ہے

لیکن یہ ایسا بہتان عظیم ہے کہ اسکی تردید کے لیے نقلی و لائل پیش کرنے کی ضرورت نہین - محمد شاہ اور احمد شاہ کے وقت مین اردو زبان کی جو حالت تھی اُسکا نمونہ ان اوراق مین پیش کیا جا چکا ہے - ولی - میر تقی - مرزا رفیع سودا اور اُنکے ہم عصرون کی زبان کا نمونہ اردو لٹریچر مین بکثرت موجود ہے -
ممکن ہے کہ حیدر شاہ کوئی مرثیہ گو شاعر عہد احمد شاہ مین ہون - لیکن یہ بند اُنکے کلام کا نمونہ ہرگز نہین ہو سکتا اس کی زبان بہت صاف اور شستہ ہے - اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ متاخرین مین سے کسی غیر مشہور شاعر کی تصنیف ہے - اگر بفرض محال یہ بند احمد شاہ کے عہد مین کہا بھی گیا ہو تو ثابت نہین ہوتا کہ حیدر شاہ نے کوئی طویل مرثیہ اس طرز مین تصنیف کیا تھا یا صرف یہی ایک بند اُنکا سرمایۂ ناز ہے علاوہ اسکے میان سکندر کا فضل تقدم اس شہادت سے مٹ نہین سکتا کیونکہ سودا کے مسدس کی طرح یہ بند بھی گارسن ڈی ٹاسی کے تذکرۂ شعرا مین بند ہے - قبولیت عام سکندر کے مرثیے سے پہلے کسی مسدس کو نصیب نہین ہوئی - ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ -

وہ لگی کہنے کہ سن بندۂ حیّ القیوم　　میرا نانا ہے نبیؐ دادا علیؑ باب علوم
یہ محلہ بنی ہاشم کا ہے سب پر معلوم　　اور میں لڑکی جو بیمار ہوں دکھیا مغموم
فاطمہ صغراؓ اسی واسطے ہے میرا نام
دادی زہرا کی سی صورت ہے مرے منھ کی تمام

اور چچا میرا حسنؑ زہر سے جس کو مارا　　بعد اس کے کوئی اس ڈیرے کا والی نہ رہا
ایک جیتا جو رہا میرا حسینا بابا　　وہ بھی بیمار مجھے چھوڑ سفر کو ہے گیا
اب تلک اس کی خبر مجھکو نہیں کچھ معلوم
ام سلمہؓ مری نانی بھی ہے گھر میں مغموم

ایک تو فاقہ کشی دوسرے میں ہوں بیمار　　گھر میں دانہ نہیں کیا تجھ سے کہوں ناقہ سوار
ایک مقنع ہے مرے سر پہ سو دیتی ہوں اتار　　میں نے بخشا تجھے بھائی مرا خط لیکے سدھار
کہیو بابا سے کہ ہے فاطمہ صغرا بے چین
نام لے لیکے وہ مر جائیگی کہہ کہکے حسینؑ

اس لیے دیتی ہوں نامہ تجھے اے ناقہ سوار　　کربلا کی مجھے بو آتی ہے تجھ سے ہر بار
میرا بابا بھی گیا ہیگا ادھر ہو لاچار　　گر کہیں ہو ترا اس دشت کے میدان میں گذار
کہیو رو رو کے زبانی مرا یہ سب ہے پیام
بندگی میری بڑوں کو مرا چھوٹوں کو سلام

میری ماں بانو سے کہیو کہ تم اتنا کیجو　　میری جانب سے سکینہؓ کی بلائیں لیجو
اور مری پھوپھیوں سے تم رو رو کے یہ کہہ دیجو　　کھانا واں کھاؤ تو گھر آن کے پانی پیجو
بھائی اکبرؓ سے یہ کہیو کہ وطن کو جاؤ
پھیر بابا کو مدینے کی طرف لیجاؤ

یہ پیام اپنا سنا فاطمہ صغراؓ بی بی　　خط و مقنع شتر اسوار کو جب دینے لگی

اُس نے مقنع نہ لیا رو کے کتابت لیلی وقت رخصت کے کہا بی بی نے مت روو بھائی

جگ مین روتا ہوا قاصد جو کہین جاتا ہے

پھر مقرر وہ موے کی ہی خبر لاتا ہے

سن کے خاموش ہو منھ پھیر کے وہ ناقہ سوار ہانکتا اونٹ چلا چھوڑ مدینے کا دیار

جس طرف دیکھتا جنگل ہین کہ اُٹھتا ہے غبار دوڑ کر پوچھتا ہر ایک مسافر کو پکار

لشکر ابن علیؑ سے جو کوئی ہو آگاہ

مجھکو بتلا دے نشان اُس کا برائے اللہ

التماس اب ہے سکندر کا یہی یا اللہ میرے مکتوب سے یون طول امل ہون کوتاہ

نہ رہے جسکی سطر مین کہین اک حرف گناہ واسطہ فاطمہ صغراؑ کا ہو بخشش کی نگاہ

آب رحمت سے مرے جرم کا نامہ ہو ڈال

ہووے شبیرؑ کی خاطر سے یہ منظور سوال

اس مرثیہ کا سال تصنیف معلوم نہین لیکن سوداؔ کا سال وفات ۱۱۹۵ھ ہے۔ اور میان سکندر مرزا رفیع کے ہم عصر تھے اس لیے یہ جدت غالبًا ۱۱۹۵ھ سے پہلے کی ہے اسکے تقریبًا بیس سال بعد سید انشا کا عروج ہوا۔ وہ "دریائے لطافت" مین لکھتے ہین کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے" اُس وقت تک مرثیہ خوانی کے پیشے کو لوگ حقارت سے دیکھتے تھے۔ مگر سلطنت کا مذہب شیعہ تھا۔ اُمرا اور اعیان ریاست اسی مشرب کے حلقہ بگوش تھے عشق اہل بیتؑ لکھنؤ کی خاک پاک مین سرایت کر گیا تھا۔ مجالس عزا دھوم دھام سے ہوتی تھین۔ اہل ایمان آرزو کرتے تھے کہ اُن کی مذہبی مجلسون مین مشاعرون سے زیادہ رونق پیدا ہو۔ مرثیون مین صحیح الفاظ ادا کیے جائین اور شعرا اپنا زور طبیعت سرمایۂ آخرت مین صرف کرین۔ اہل کرم کی داد و دہش نے مرثیہ گویون کی ہمت افزائی کی اور چند ہی روز مین ایک کامل پیدا ہوا جس نے عاشقانہ شاعری سے دست بردار ہو کر مرثیہ گوئی

اور مرثیہ خوانی شروع کی۔ یہ بزرگ مرزا دبیر کے استاد میر ضمیر تھے۔ دلگیر۔ میر فصیح۔ اور میر خلیق نے بھی اسی صنف مین کمال حاصل کیا اور بادشاہ غازی الدین حیدر کے عہد مین یہ فن اس قدر ترقی کر چکا تھا کہ مرزا رجب علی سرور نے اپنے فسانۂ عجائب مین اہل لکھنؤ کے کمالات کا تذکرہ کرتے ہوے مرثیہ گویون کی طرف بھی اشارہ کیا اور اُن تمام مرثیہ گویون کے نام بتا دیے جو اُس وقت موجود تھے یا اُس سے پہلے اس فن مین شہرت حاصل کر چکے تھے۔

"مرثیہ گو بے نظیر میان دلگیر۔ صاف باطن نیک ضمیر۔ خلیق فصیح۔ مرد مسکین۔ مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا۔ اللہ کے کرم سے ناظم خوب۔ دبیر مرغوب۔ سکندر طالع بصورت گدا۔ بار احسان اہل دول کا نہ اُٹھایا۔ عرصۂ قلیل مین مرثیہ وسلام کا دیوان کثیر فرمایا۔"

سرور نے یہ عبارت میان دلگیر کی مدح مین لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دلگیر ہی کے دلدادہ تھے۔ اُس وقت کے بیشتر اہل کمال دلگیر سے محبت رکھتے تھے۔ شیخ ناسخ لکھنؤ سے جدا ہوئے تو دلگیر کو یون یاد کرتے ہین۔

متحدا ایسے زمانہ مین کہان ہوتے ہین   آپ دلگیر ہے ناسخ جو ہے دلگیر جدا

میان دلگیر کے کلام مین درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند بند لکھے جاتے ہین۔

شہید ظلم جو وہ شاہ تشنہ کام ہوا   بنوک نیزہ علم تب سر امام ہوا
حرم سرا مین لعینون کا اژدحام ہوا   خیام شاہ مین انبوہ فوج شام ہوا
حرم کا زیور و زر لوٹنے لگے ظالم
حسینؑ امام کا گھر لوٹنے لگے ظالم
جو شہر بانو تھی شہزادی دیار عجم   عزیز رکھتے تھے جس کو بہت امام امم

رکھا تھا صحن مین جس نے نہ تا بہ عمر قدم   پڑی تھی جس کے نہ منہ پہ نگاہِ نامحرم
سو روزِ بد تھا یہ اُس معدنِ حیا کے لیے
ستم کی فوج مین محتاج تھی رِدا کے لیے

ہوئی یہ خانۂ آلِ عبا کی بربادی   کہ سر برہنہ ہوئی ایک اک نبی زادی
ستمگرون نے یہ آلِ نبی کو ایذا دی   کہ بنتِ فاطمہؑ تھین سر برہنہ فریادی
جلا جو خیمہ تو چھپنے کو کوئی جا نہ رہی
جنابِ زینبؑ خاتون کی ردا نہ رہی

جب آیا تیغ بکف خیمہ گہ مین شمرِ شقی   سکینہؑ گود مین اپنی پھوپھی کے جا کے چھپی
سر اپنا پیٹ کے وہ دل جلی یہ کہنے لگی   کوئی پدر کو مرے اب پکار لو جلدی
کبھی وہ چھوٹے سے ہاتھون سے منہ چھپاتی تھی
کبھی وہ بید سی دہشت سے تھرتھراتی تھی

سرہانے عابدِ مضطر کے آئی فوجِ شریر   کوئی تو نیزہ دکھاتا تھا اور کوئی شمشیر
سب اپنی اپنی لگے کرنے اشقیا تدبیر   کوئی تو طوق و رسن لایا اور کوئی زنجیر
نہ ہاتھ ظلم کا اُس دل کباب سے کھینچا
پکڑ کے ہاتھ اُسے فرشِ خواب سے کھینچا

غرض جو خیمۂ عصمت جلا چکے اظلم   اور اُن کی قید مین بھی پھنس چکے سب اہلِ حرم
تمام دفن ہوئے لاشہائے اہلِ ستم   پڑا زمین پہ رہا لاشۂ امامِ اُمم
نہ کوچ فوج نے اُس دم سوئے شام کیا
قریبِ مقتلِ شبیرؑ کے مقام کیا

بٹھایا شب کو اسیرون کو اک درخت تلے   زمین پہ بیبیان بیٹھی تھین منہ پہ خاک ملے
سکینہ روتی تھی لگ لگ کے اپنی ماں کے گلے   پرائی قید مین جو ہون بس اُن کا خاک چلے

اندھیری شب مین کہان جہکی دینے والا تھا
ستم زدون کا نگہبان حق تعالےٰ تھا

وہ سونا دشت وہ میدان کی شب کی تاریکی — جو دیکھی زینبؓ بیکس نے بے قراری کی
تباہ ہوگئی حالت علیؑ کی پیاری کی — یہ بات اُس نے ہر اک سے بہ آہ وزاری کی
کوئی بھتیجا نہ بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
عجب طرح کی یہ رات ہم پہ آج آئی ہے

غرض کہ رات مصیبت کی ہوگئی جو تمام — تو کوچ پہ ہوئے آمادہ سب وہ ساکن شام
برہنہ اونٹون پہ اہل حرم بٹھائے تمام — بسوے شام روانہ ہوئے وہ بدانجام
اب آگے کیا کہے دلگیر کیسی آفت تھی
پہونچ کے شام مین زینبؓ پہ جو مصیبت تھی

اسی زمانہ کے قریب میر ضمیر نے وہ مشہور مرثیہ کہا تھا جسکا مطلع ہے :۔

جب پیاس آب تیر سے اصغرؓ بجھا چکے — بچپن مین اپنا داغ پدر کو دکھا چکے
آغوش قبر مین اُسے حضرت سُلا چکے — بانو کا لال خاک کے اندر چھپا چکے
کہتے تھے اب قریب ہے رحلت حسینؑ کی
اے خاک ہے یہ چاند امانت حسینؑ کی

اس مرثیہ کے چند بند سنیے تو ضمیر اور دلگیر کی زبان اور طرز بیان کا فرق صاف ظاہر ہو

ناگاہ سامنے سے نمایان ہوا غبار — سمت مدینہ سے ہوا پیدا اشتر سوار
اک نامہ اُسکے سر پہ بندھا ہے بہ افتخار — ہر سمت دیکھتا ہوا آتا ہے بار بار
کہتا ہے یا خدا مری محنت قبول ہو
مہمان کربلا کی زیارت حصول ہو

پہونچا جو قتل گاہ مین تو دیکھتا ہے کیا — لاشے پڑے ہوے ہین جوانون کے جابجا

ہے اک طرف کو خیمۂ ویران کھڑا ہوا
ہین اک طرف سوار و پیادے ہزار ہا
پرچم کھلے ہوے ہین نشان سر بہ اوج ہے
اور اُس طرف علم ہے نہ لشکر نہ فوج ہے

اک سو تو العطش کی صدا ہے بہ اتصال
اور اک طرف کو پانی بہاتے ہین بد خصال
لاشون پہ بیکسی ہے برستی پڑی کمال
کتنے ضعیف کتنے جوان کتنے خوردسال
زخم جگر پہ ہاتھ کسیکا دھرا ہوا
دست بریدہ مین کہین کنگنا بندھا ہوا

آیا اُسی طرف کو یہ قاصد صفون کو چیر
کھولے علم کھڑا تھا جہان لشکر شریر
حیران کار ہو کے پکارا وہ مرد پیر
ہان صاحبانِ خیل و حشم اَکیم امیر
اس قافلہ کا قافلہ سالار کون ہے
اے صاحبو بتاؤ کہ سردار کون ہے

لوگون نے ابن سعد کا اُس کو بتا دیا
دیکھا بزیر چتر مرصّع ہے وہ کھڑا
پاؤن سے سر تلک اُسے دیکھا تو یہ کہا
افسوس ہے کہ دل کو نہ واشد ہوئی ذرا
سیّد ہے اور امام ہے صاحب جمال ہے
مین اُس کو پوچھتا ہون جو زہراؑ کا لال ہے

اُس نامہ بر سے کہنے لگی فوج نابکار
جا اُس طرف کھڑا ہے بلندی پہ جو سوار
آیا یہان تو پاے شتر ماندہ ایک بار
بس چڑھ گیا بلندی کے اوپر بحال زار
دیکھا غمون سے وار داندوہ ہے حسینؑ
گویا کہ آفتاب سر کوہ ہے حسینؑ

عالم ہے غش کا سینہ کے اوپر جھکا ہے سر
ہے خون کا خضاب لگا ریش پاک پر
عمامۂ رسول خدا ہے لہو مین تر
رخسارون سے ہے نور ولایت کا جلوہ گر

زخمی تمام ناف سے لے تا بہ فرق ہیں
گھوڑے سمیت خون کے دریا میں غرق ہیں

اُس نے ٹھہر کے سبطِ نبی کو کیا سلام — ہاتھوں پہ رکھ کے نامہ کو لایا سوئے امام
شہ نے کہا کہ کون ہے بھائی تو نیک نام — بیکس کو یوں سلام جو کرتا ہے اس مقام

اس خط سے روح کچھ مری لذت اُٹھاتی ہے
تجھ سے تو بوئے اہل وطن مجھکو آتی ہے

اُس نے کہا مدینہ کو اک روز میں گیا — سوئے محلۂ بنی ہاشم گذر ہوا
اک دختر مریض کو واں دیکھتا ہوں کیا — سر پر قصابہ ہاتھ میں تھامے ہوئے عصا

پردے سے یوں لگی ہوئی کرتی کلام ہے
بھائی خدا کی راہ کا درپیش کام ہے

فریاد اُسکی کر گئی دل پر مرے اثر — پوچھا جو اُسکے حال کو ڈیوڑھی پہ آن کر
بولی کہ ہوں میں قوم کی سیدانی نوحہ گر — پر ہے کئی مہینے سے تپ اور درد سر

اور یہ محلہ ہاشمیوں کا تمام ہے
دادی بتول جد مرا خیر الانام ہے

بیٹی حسینؑ کی ہوں یہ سب جانتے ہیں آہ — بابا مرا سفر کو گیا ہے بعزّ و جاہ
مجھکو اکیلے گھر میں گیا چھوڑ کر تباہ — قاصد بھی کوئی آتا نہیں دیکھتی ہوں راہ

تو کربلا میں لیکے جو اس خط کو جائے گا
محشر میں فاطمہ سے صلا اس کا پائیگا

شہ نے کہا کہ بس نہ زباں سے سنا پیام — خط کر کے چاک پڑھنے لگے شاہ تشنہ کام
لیتے تھے ہر مقام کے اوپر جگر کو تھام — پہونچے جب اُس جگہ پہ تو روئے بہت امام

چندے مفارقت میں جو یہ نہیں گذر گئی

سنیو اکیلے گھر مین وہ ٹکرا کے مرگئی

قاصد سے تب کہا شہ دین نے کہ ہو سوار   تجھ سے نہ دیکھا جائے گا میرا مآل کار
گردہ سکے کہ تجھکو ملے شاہِ نامدار   کر دیجیو فقط اسی کلمہ پہ اختصار
برباد کر چکے تھے لعین گھر حسینؑ کا
جب مین چلا تو کاٹ لیا سر حسینؑ کا

قاصد تو سوئے شہر مدینہ ہوا روان   سامان قتل سبطِ پیمبر ہوا یہان
~~~ خاموش اے ضمیر نہین طاقتِ بیان   اہل زمین بھی روتے ہین اور اہل آسمان
مطلب نہ مدح سے نہ غرض واہ واہ سے
گذرے یہ مرثیہ شہ دین کی نگاہ سے

فسانۂ عجائب کی تکمیل سے بادشاہ نصیر الدین[1] حیدر کے عہد مین فراغت ہوئی جن کا سال جلوس ۱۲۴۳ھ ہے - اس وقت تک دلگیر ضمیر خلیق ہم پلہ سمجھے جاتے تھے - مرثیہ گویون کی توجہ بین پر تھی - مرثیون کے بند ۱۲ - سے لیکر ۳۵ - یا ۵۰ تک ہوتے تھے اور بیشتر مرثیے سوز خوان ہی پڑھتے تھے -

میر ضمیر نے روایتین نظم کرنا شروع کین تو مرثیہ ۵۰ بندون سے بڑھکر ستر اسّی بند کا ہونے لگا - رفتہ رفتہ یہ تعداد سَو سے بھی متجاوز ہوئی - ۱۲۴۹ھ مین ضمیر نے رزم و سراپا بھی مرثیون مین داخل کیا اور اس زمین کو آسمان بنا دیا - انھون نے شہزادہ علی اکبر کی شہادت کے بیان مین ایک مرثیہ ۱۰۱ بند کا کہا جس کا مطلع ہے :-

کس نور کی محفل مین مری جلوہ گری ہے   کس نور سے پر نور یہ نور نظری ہے
آمد ہی مین حیران قیاس بشری ہے   یہ کون سی تصویر تجلی سے بھری ہے
سلہ مشہور :-   گو حسن کا رتبہ نہین مذکور ہوا ہے

تا ابقائم رہے فرمانروائے لکھنؤ منبر مراہم مرتبہ طور ہوا ہے   [1] نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ
~~~

اُس مین تمہید سے چہرہ باندھا۔ پھر سراپا لکھا جو مرثیہ مین شعرائے سابق نے شامل نہین کیا تھا۔

قرآن کی تشبیہ یہ اس دل نے بتائی
پیشانی انور ہے کہ ہے لوح طلائی
ابرو سے وہ بسم اللہ قرآن نظر آئی
جدول کشش زلف کی تارون نے دکھائی
وہ زلف وہ بینی الف لام رقم ہے
پر میم دہن مل کے یہ اک شکل الم ہے

دیکھو کہ صفا ہے رخ اکبر سے نمایان
یان سعی مین ہر دم ہے دل زینب نالان
کعبہ جو سیہ پوش ہے اے صاحب عرفان
یان بھی رخ انور پہ ہین گیسوے پریشان
اس زلف مین پابند دل شاہ امم ہے
زنجیر مین کعبہ کی یہ قندیل حرم ہے

مانند دعائے سحری قد رسا ہے
ماتھا ہے کہ دیباچۂ انوار خدا ہے
دو زلف نے اک چاند سا منہ گھیر لیا ہے
وصل شب قدر و شب معراج ہوا ہے
دو زلفین ہین رخسار دل افروز بھی دو ہین
یان شام بھی دو ہین بخدا روز بھی دو ہین

پھر میدان جنگ کا نقشہ دکھایا۔

تھا آب دم تیغ سے طوفان کا اسباب
تھی موج فنا سر سے گذرتا تھا پڑا آب
دریا تھا وہ لشکر تو ہر اک حلقہ تھا گرداب
اعضائے بریدہ صفت ماہی بے آب
آب دم خنجر یہ علمدارون کے دم تھے
جب تیغ علم کی تو علم صاف قلم تھے

اور بیان شہادت پہ خاتمہ کر دیا۔ مقطع مین فرماتے ہین :۔

جس سال لکھے وصف یہ ہمشکل نبی کے
۱۲۴۹ھ بارہ سو اُنچاس تھے ہجر نبوی کے

اب سب یہ مقلد ہوئے اس طرز نئی کے　　آگے تو یہ انداز سخن تھے نہ کسی کے

دس مین کہون سو مین کہون یہ درد ہے میرا
اس طرز مین جو جو کہے شاگرد ہے میرا

افسوس ہے رزم کا بیان مرثیون مین اُس وقت شامل کیا گیا جب اہل ہند کو فوج کشی۔ صف آرائی۔ اور قلعہ شکنی سے تعلق باقی نہین رہا تھا۔ شب و روز عیش پرستی سے سروکار تھا اور بجز افسانہائے بزم کے کسی اور چرچے مین دل نہین لگتا تھا۔

مجالس عزا کی برکت تھی یا میر ضمیر کے صدق و خلوص کا ثمرہ کہ وہ میدان جنگ کی ہولناک تصویر دکھانے قتل و خونریزی کا نقشہ کھینچنے مین کامیاب ہوئے اور خلایق نے اُنکی لطافت بیان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ اُنھون نے پہلی بار نظم اردو کو تصویر رزم سے آشنا کیا گویا کہ سنگ مرمر کی ایک خوبصورت بارہ دری بنائی جسپر جواہرات کی پچیکاری کرنا اور طلائی نقش ونگار بنانا آیندہ نسل کے لیے محفوظ تھا۔ اہل فارس قصیدہ کو (۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح (۴) دعا۔ اور (۵) عرض حال پر مشتمل رکھتے تھے۔ انھون نے مرثیون مین (۱) چہرہ (۲) رخصت (۳) سراپا (۴) آمد (۵) رجز (۶) لڑائی (۷) بیان شہادت اور (۸) دعا لازمی قرار دیکر ۱۲۴۹ھ سے مرثیہ گوئی کے تیسرے دور کا آغاز کیا میر ضمیر نے مرثیہ مین جو جدتین کین حسب ذیل ہین :-

(۱) رزمیہ لکھا۔

(۲) سراپا شامل کیا۔

(۳) گھوڑے۔ تلوار اور اسلحہ جنگ کے اوصاف لکھے۔

(۴) صفائی بندش پر توجہ کی۔

(۵) غلط الفاظ جو مرثیون مین بے تکلف استعمال ہوتے تھے ترک کر دیے۔

(۶) تحت لفظ پڑھنے کا رواج دیا اور منبر پر ہاتھ اور اشارات چشم و ابرو سے بتانا

شروع کیا

پہلے سب سے بہتر مرثیہ گو وہ سمجھا جاتا تھا جس کو مصیبت کے موقعون کے روزمرے کثرت سے معلوم ہون اور اُن کو مناسب طریقہ سے استعمال کر سکے۔ میر خلیق میان دلگیر مرزا فصیح۔ ضمیر کے ہم رتبہ تھے بلکہ محاورہ بندی مین خلیق کا درجہ بلند تھا مگر اس طرز جدید نے سب کا بازار سرد کر دیا۔

میان دلگیر کی زبان مین لکنت تھی۔ وہ خود مرثیہ نہین پڑھتے تھے۔ اُنکا کلام سوزخوان پڑھا کرتے تھے۔ سوز کے لیے بین ہی مناسب تھا۔ وہ اپنی وضع پر قائم رہے اور ضمیر کی تقلید نہین کی۔

میر خلیق کا جوہر کمال لطف زبان کو خیالات دردانگیز کے ساتھ ترکیب دیکر اہل مجلس کو رولانا تھا۔ وہ مرثیت کے کوچہ سے قدم آگے بڑھانا نہین چاہتے تھے۔ اُنھون نے ضمیر کی تقلید اپنے کمالات مین موجب افزایش نہ سمجھکر رزمیہ مضامین سے احتراز کیا اور صرف درد و تاثیر کی نعمت سے حریفون کا مقابلہ کرتے رہے۔

فصیح نے "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" پر عمل کیا اور بیان رزم مرثیون مین شامل کرنے لگے۔ مگر وہ چندہی روز کے بعد حج و زیارات کو تشریف لے گئے اور وہین اقامت اختیار کر لی۔ مشق سخن وہان بھی جاری تھی۔ اُن کا ایک نہایت پرزور سلام مکّہ سے آیا اور لکھنؤ مین ایسا مقبول ہوا کہ آج تک اہل دل کو اس کے اشعار حفظ ہین۔ نمونہ کے طور پر چند شعر اس سلام کے درج کیے جاتے ہین:-

سلام لکھتا ہون مین حرم مین قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے۔
سر اپنا کعبہ کے سنگ در پر سیاہ پردہ پٹک رہا ہے
گھرے ہین بادل سے شام کے دل کھنچی ہے حیدر کی سیف بُرّان۔
گھٹا مین بجلی چمک رہی ہے زمانہ آنکھین جھپک رہا ہے

سکینہؑ پیاسی تڑپ رہی ہے پڑی ہے بیہوش بنتِ مسلمؑ
ادھر کو اصغرؑ سسک رہا ہے اُدھر کو باقرؑ بلک رہا ہے
کہا یہ عابدؑ نے ماں سے روکر نہیچے نہ اصغرؑ رہا مین زندہ
لگا گلے پر جو تیر اُن کے جگر مین میرے کھٹک رہا ہے
خدا مظفر حسین خان کو بخیر و خوبی حرم مین لائے
فصیح مشتاق اس قدر ہے کہ راہ دن رات تک رہا ہے

میر ضمیر کے نامور شاگرد مرزا دبیر عرصہ سے مرثیہ گوئی کی مشق کر رہے تھے اُنھون نے اُستاد کی پیروی مین شہزادہ علی اکبرؑ کے حال کا مرثیہ طرز جدید مین لکھا اور مطلع بھی اُسی شان کا کہا ع - سب محفلون مین نور کی محفل ہے یہ محفل۔ جس مجلس مین یہ مرثیہ پڑھا گیا اُس مین خواجہ آتش بھی تشریف فرما تھے - جب گھوڑے کی تعریف مین حسب ذیل بند مرزا صاحب نے پڑھا :-

وہ رخش تھا یا ابلقِ ایّام کا اقبال | نکہ شکل سے درست اور جوان بخت و جوان سال
جادو کی نزی آنکھ فقط معجزے کی چال | خورشید کے سم برق کی دُم سنبلہ کی یال
قوت کی طبیعت تھی - دلیری کا جگر تھا
سرعت کا بدن - فہم کا دل عقل کا سر تھا

خواجہ آتش نے پکار کر فرمایا کہ "بھئی سلامت علی خدا تم کو سلامت رکھے - کون کہتا ہے کہ تم فقط مضامین اچھے کہتے ہو - تم سے بہتر دوسرا شاعر زبان بھی نہین کہ سکتا -

مرثیہ گوئی کے آسمان پر ضمیر و دبیر ماہ و مشتری کی طرح چمکنے لگے - قدر دانون کی جوہر شناسی اور اہل کرم کی گوہر پاشی نے لکھنؤ کی خاک پاک سے بیسیون مرثیہ گو پیدا کر دیے - لیکن ان بزرگون کے سامنے کسی کا چراغ روشن نہ ہو سکا اور جس کسی نے مقابلہ پر آنے کی ہمت کی ترک پائی اور شرمندگی اُٹھائی -

عام طور پر خیال کیا جانے لگا کہ مرثیہ گوئی درجۂ کمال کو پہونچ گئی اور اب اس صنفِ سخن مین ترقی کی گنجایش باقی نہین۔ یکایک خورشید نے رخ سے نقاب اُٹھائی + گردون پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا۔ میر خلیق کے بلند اقبال صاحبزادے میر ببر علی انیس نے فیض آباد سے آکر لکھنؤ مین مجلس پڑھی اور رزم بزم کی وہ چلتی پھرتی تصویرین دکھائین کہ "ہذا اکبر" کی صدا ہر گوشہ سے آنے لگی۔

انھون نے طرزِ مرثیہ گوئی مین کوئی خاص جدت نہین کی بلکہ ضمیر و دبیر کے محاسنِ کلام کا ایک مرقع بنایا اور اسپر میر خلیق کی محاورہ بندی اور میر حسن کی داستان نگاری کا رنگ و روغن چڑھا کر طلسمات کا عالم دکھا دیا۔

اگلے معبودون کی پرستش کرنے والے عرصے تک کوشش کرتے رہے کہ خداوندِ جدید کے سامنے سربسجود نہ ہون لیکن کلام مین وہ معجزہ تھا کہ سب کی گردنین جھک گئین۔

خاموش ہین گو شیشۂ دل چور ہوئے ہین
اشکون کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہین

میر ضمیر واجد علی شاہ کے عہد تک زندہ رہے اور کہا جاتا ہے کہ آخری زمانہ مین انھون نے ایک بے نظیر مرثیہ (۱۸۰۰) بند کا لکھا تھا جو مشہور ہوتا تو دبیر و انیس دونون کے چراغ گل ہو جاتے۔ مگر یہ حکایت غالباً افسانہ ہے۔

بڑھا بھی دیتے ہین کچھ زیبِ داستان کے لیے

اُن کا کلام جو اس وقت موجود ہے مرزا دبیر کے دفترِ ماتم سے بہت کم وزن ہے اور میر انیس کا حریفِ مقابل اس صنفِ سخن مین اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ صرف مرزا دبیر علیہ الرحمۃ کی ذاتِ بابرکات ہے۔

ان دونون باکمالون کے نقشِ قدم پر چلنے والے سیکڑون پیدا ہوئے لیکن دوسرون کا کیا ذکر ہے خود اُن کے بھائی بیٹے بھی گوئے سبقت نہ لیجا سکے۔ خاندان انیس مین سے

مونس ونفیس۔ اور خاندان دبیر میں سے مرزا اوج نے بہت زور مارا لیکن کلمۂ انصاف یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے ہم قدم بھی نہ ہو پائے۔ آگے بڑھنا تو بہت دشوار تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

انیس و دبیر مرثیہ گوئی کو اس نقطۂ عروج تک پہونچا گئے جس کے بعد زوال ہی زوال ہے۔ ان دونوں میں صدر نشین فضیلت کون تھا؟ یہ مسئلہ اس وقت تک زیر بحث ہے علامہ شبلی نے "موازنۂ انیس و دبیر" میں مرزا دبیر کو میر انیس کا حریف مقابل قرار دینا بد مذاقی کی دلیل سمجھی ہے۔ لیکن یہ بد مذاقی اس قسم کی تھی کہ سارا لکھنؤ جو اس وقت شعر و سخن کی ٹکسال تھا۔

رنگ کھل جاتا ہے یاں کھوٹے کھرے کا پردا
لکھنؤ اہل ہنر کے لیے ٹکسال ہے آج

اسی بلا میں گرفتار تھا اور ان دونوں باکمالوں کو حریف مقابل سمجھتا تھا۔

"موازنہ" ہندوستان کے ایک مشہور انشا پرداز کے قلم سے نکلا اور اس میں خیالات کا اظہار نہایت بیباکی اور دلیری سے کیا گیا۔ سارے ملک میں آگ لگ گئی۔ دبیریے تو ناراض ہوئے ہی بعض انیسیے بھی خوش نہ ہوئے اس کی تردید میں کئی کتابیں شائع ہوئیں جنہیں سے "المیزان"، ادب اردو میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ دبیر کا بہترین کلام علامہ شبلی کی نظر سے نہیں گذرا تھا ورنہ وہ دبیر کی بابت ایسی غیر منصفانہ رائے قائم نہ کرتے جیسی کہ "موازنہ" سے ظاہر ہوتی ہے۔

مؤلف[۱] حیات دبیر کا بیان ہے کہ جب علامہ نے حیات دبیر کو پڑھا ان کی رائے بہت کچھ تبدیل ہو گئی اور انھوں نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا کہ مجھکو یہ حالات پہلے نہیں معلوم تھے۔

حیات دبیر۔ جلد دوم حصہ اول صفحہ ۲۸۱۔

دونون اُستادون کی روش جداگانہ ہے۔ میر انیس کا کلام فصیح اور شیرین ہے اور مرزا دبیر کا دقیق و ملیح۔ شیرینی اور نمک دونون کی بنی آدم کو احتیاج ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر من کل الوجوہ ترجیح نہین دی جا سکتی۔ البتہ میر انیس کو یہ فوقیت مرزا صاحب پر حاصل ہے کہ اُن کے کلام کی سادگی و تاثیر عرصہ تک زندہ رہیگی اور مرزا دبیر کی شوکت الفاظ و بلند پروازی مٹ جائیگی۔ مرزا دبیر نے جو صنائع و بدائع اپنے کلام معجز نظام مین صرف کیے اُن کے سمجھنے والے ہندوستان مین بہت کم باقی ہین۔ اور اگر مشرقی علوم سے بے توجہی کا یہی عالم رہا تو چند ہی روز مین شاید کوئی شخص ان صنائع سے لطف اُٹھانے والا ہندوستان مین تلاش کرنے سے بھی نہ ملیگا۔ برخلاف اس کے میر انیس کی سادہ زبان اور محاورہ بندی اُس وقت تک مزہ دیگی جب تک کہ اردو زبان زندہ ہے۔ فسانۂ عجایب جان طلب ہے۔ اور چار درویش برقرار ہے۔ گلزار نسیم پر خزان آنے کا اندیشہ ہے۔ مثنوی میر حسن سدا بہار ہے۔ سہ نثر ظہوری اور مثنوی غنیمت اب سمجھنا دشوار ہے۔ گلستان اور بوستان سے ہر فارسی دان لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ سید افضل حسین ثابت لکھنوی نے اپنے بے نظیر گنجینۂ واقعات "حیات دبیر" مین اُن تمام صنعتون کا مفصل تذکرہ کیا ہے جو مرزا دبیر کے کلام مین پائی جاتی ہین۔ مگر افسوس ہے کہ اُن مین سے بیشتر کا۔ زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ طبقہ نے نام بھی نہ سنا ہوگا!!

مرزا دبیر کی معنی آفرینی اور سحر طرازی دیکھنا ہو تو المیزان اور حیات دبیر کے زرین صفحات ملاحظہ فرمائیے۔ میر صاحب کے کلام کا نمونہ ان اوراق پریشان مین موجود ہے۔ ان دونون باکمالون کے معتقدین نے ایک زمانہ مین وہ طوفان برپا کر رکھا تھا کہ بقول سالک دہلوی "ایک طرف کا معتقد دوسری طرف والون مین ایسے دیکھا جاتا تھا جیسے موحدین مین مشرک اور مسلمانون مین کافر"

مرزا دبیر کے مشہور مرثیہ گو شاگرد میان مشیر نے اپنے مخصوص انداز مین سچ کہا تھا:۔

جھگڑا یکر کا ہے نہ جناب امیر کا ‏ اب قصہ رہگیا ہے انیس و دبیر کا

راقم آثم کے لیے ان بزرگون کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک مصرعہ تبرک ہے۔ وہ اِن دونون شہنشاہان سخن کے متحد المضامین اشعار کا نمونہ پیش کرتا ہے اور ترجیح کا فیصلہ ناظرین کے ذوق سلیم پر چھوڑتا ہے۔

بسو گند گفتن کہ زر مغربی ست ‏ چہ حاجت محک خود بداند کہ چیست

حاشیہ صفحہ ۲۷۔ سلہ شیخ گوہر علی مشتیر مرزا دبیر کے شاگرد اور شریعت ہرسیہ گوئی کے پیغمبر تھے۔ میر ضمیر کو جس طرح مرثیہ کے طرز نو کی ایجاد کا شرف نصیب ہوا اُسی طرح دشمنان اہل بیت کی ظرافت آمیز ہجو مین ہرسیہ ایجاد کرنے کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ "ہرسیہ" ایک بے معنی لفظ ہے۔ مگر غالبًا ہرسیہ سے مرثیہ کے وزن پر بنایا گیا ہے۔ مرثیہ کا مضمون پر عظمت تھا۔ اگر ظرافت شامل کیجاتی تو مجلس ماتم بزم طرب بن جاتی مشہور ہے کہ کسی ذاکر نے ایک مجلس مین لشکر دشمن کے پہلوان کی بابت یہ مصرعہ پڑھا۔

آیا تھا بھوکتا یہ ذبکتا ہوا بھاگا

تمام اہل مجلس ہنس پڑے اور اس کا اثر مجلس کے ختم تک زائل نہ ہوا۔ ہنسنے ہنسانے کے لیے لکھنؤ مرحوم کے زندہ دلون نے یہ صورت نکالی کہ آٹھوین ربیع الاول کو عزا داری سے فراغت کرکے ۹۔ ربیع الاول کو جشن عید منعقد کرتے تھے اور اُس دن قاتلان حسین کے انجام پر خوشی مناتے تھے۔ کہتے ہین کہ اس عید مین سب سے پہلے میر ضمیر نے "ہرسیہ" پڑھا اور اُن کی تقلید مرزا دبیر اور میر انیس وغیرہ نے بھی کی۔ میان مشتیر نے ساری طاقت ہرسیہ پر صرف کردی اور اس فن مین اُن کا مدمقابل بننے کی کسی کو جرات نہین ہوئی۔ رعایت لفظی مین امانت کو مات کیا اور ایسے نادر محاورے استعمال کیے جن کی سند سوائے اُن کے کلام کے کہین نہین مل سکتی۔ انھون نے مختلف قومون اور اہل پیشہ کی اصطلاحین کثرت سے نظم کین اور اردو شاعری کو ظرافت و شوخی کے انمول خزانہ سے مالامال کردیا۔ اُن کے بعض مصرعے مثلاً "مقلی بنی تھی جائے وہ کشمیری ہوگئی" یا "ناصبی ہوگے حال نہ پہچانے جائینگے" ضرب المثل کے طور پر بزم احباب مین استعمال ہوتے ہین۔ اور اُن کا ہر شعر ہنسنے والون کے لیے زعفران زار کی کیاری ہے۔ افسوس ہے کہ پھول کے ساتھ کانٹون کا اتنا انبار ہے کہ اس مقدسہ کی تہذیب اُن کے بار کی متحمل نہین ہوسکتی۔ اور دامن گلچین کو گزند پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ ورنہ اُنکے بعض ہرسیون کا انتخاب اس مقام پر درج کرتا۔ نمونہ کے طور پر حسب ذیل اشعار جن مین رعایت لفظی کے طومار سے

(۱) دنیا بے حقیقت ہے

دبیر — کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا ۔۔۔ باقی سامانِ عیش فانی نکلا
چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دنیا سے دبیر ۔۔۔ اتنا بھی نہ اس کنوئیں میں پانی نکلا

انیس — راحت کا مزہ عدو سے جانی نکلا ۔۔۔ دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا
پیاسے رہے آکے چاہِ دنیا پہ انیس ۔۔۔ نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

(۲) احوالِ حضرت حُر

دبیر — حُر کو کیا بخت کبریا نے بخشا ۔۔۔ یہ نام اُسے بخت رسا نے بخشا
جب عذر گنہ کرتا تھا کہتے تھے حسینؑ ۔۔۔ میں نے بخشا مرے خدا نے بخشا

انیس — جب حُر کا گنہ شاہ امم نے بخشا ۔۔۔ قطرے کو شرف بحرِ کرم نے بخشا
گردون سے ندا آئی کہ اے سبطِ نبی ۔۔۔ تو نے جسے بخشا اُسے ہم نے بخشا

(بقیہ صفحہ ۲۸) ۔ امانت کو شرمندہ کیا ہے نقل کیے جاتے ہین ۔

(ہندوستانی عورت ایک مغل کی شکایت لیکر حاکم کے سامنے جاتی ہے)

وہ بولی صدقے جاؤن مصیبت سنو مری ۔۔۔ ستّی تلک نہ دی جسے لوٹا دھڑی دھڑی
گہنا تمام لے گیا ملبوس لے گیا ۔۔۔ ہاتھون کی چوہے دنتیان تک موس لیگیا
چوری کا حال صاف بتانا مجھے پڑا ۔۔۔ سنتی ہون شہ چھڑے کی گلی مین گڑا ہلا
ہتیائے کنگن ایسے یہ مغلے شریر ہین ۔۔۔ جوشن لیے گواہ صغیر و کبیر ہین
نتھ ناک سے اُتار لی منہ کیل کر مرا ۔۔۔ اور جھپکا دیکے سونے کا تعویذ بھی لیا
لے بھاگا ڈھولنا مرا قرآن کی قسم
انگشتری چرائی سلیمان کی قسم
کیا کیا مین تڑپی بجلیون کے واسطے میان ۔۔۔ بالا بتا کے لے گیا بچپن کی بالیان
چتے مرے اُتار لیے آگئی خزان ۔۔۔ بیچین اننت رام کے ہاتھون وہ انتیان
سب چیز بست باندھ کے لیتے ہین لے گیا
موتی کے جھالے بالی برسے مین لے گیا

(۳) فکرِ مابعد الموت

دبیرؔ- برزخ کی صعوبات کٹے گی کیونکر — تنہائی مین اوقات کٹے گی کیونکر
غفلت مین دبیرؔ صبح پیری ہوئی شام — دن رات ہوا۔ رات کٹے گی کیونکر
انیسؔ- درد و الم ممات کیونکر گذرے — یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی تنکر انیس — اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

(۴) سفرِ آخرت و بے ثباتیِ دنیا

دبیرؔ- آج آئے ہین کل کوچ کی تیاری ہے — غفلت مین کٹی عمر یہ ہشیاری ہے
دنیا ہے عجب مقامِ حیرت نہ کھلا — یہ عالمِ خواب ہے کہ بیداری ہے
انیسؔ- اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے — لے زاد سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہونچے ہین مسافر یان تک — یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

(۵) شاعرانہ خود ستائی

دبیرؔ- شیران مضامین کو کہان بند کرون — کیا طبع کا دریائے روان بند کرون
خلاق مضامین تو سبھی ہین لیکن — کھل جائے حقیقت جو زبان بند کرون
انیسؔ- گلہائے مضامین کو کہان بند کرون — خوشبو نہین چھپنے کی جہان بند کرون
مین باعثِ نغمہ سنجیِ بلبل ہون — کھولے نہ کبھی منہ جو زبان بند کرون

(۶) خاکساری

دبیرؔ- بندون پہ کرم حضرت باری کا ہے — مقدور کسے شکر گذاری کا ہے
دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھکو — ثمرہ یہ نہالِ خاکساری کا ہے
انیسؔ- دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے — غفلت مین بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردون کو اگر ہے سرکشی کا غرہ — ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے

(۷) اظہار کمال

دبیر۔ گنجینہ جسے ربّ ہدا دیتا ہے　　وہ داد عطیۂ خدا دیتا ہے
خاموش حبابون کے ہین ظرف خالی　　دریا مین ہین موتی - وہ صدا دیتا ہے

انیس　رتبہ جسے دنیا مین خدا دیتا ہے　　وہ دل مین فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہین تہی مغز ثنا آپ اپنی　　جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(۸) قبر

دبیر　اک دن پیوندِ خاک ہونا ہوگا　　تنہا - تنہا - لحد مین سونا ہوگا
اس قبر کے پردے کا کھلا حال دبیر　　جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا

انیس　آغوشِ لحد مین جب کہ سونا ہوگا　　جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی مین آہ کون ہوئیگا انیس　　ہم ہوئین گے اور قبر کا کونا ہوگا

(۹) شیرین سخنی

دبیر　شیرین سخنی پہ موردِ تحسین ہون　　واللہ نہ عیب بین نہ نکتہ چین ہون
سکتے مین ہے میرے سخن شیرین سے　　شکّر کا ہے کیا منہ جو کہے شیرین ہون

انیس　کس منہ سے کہون لائقِ تحسین ہون مین　　کیا لطف جو گل کہے کہ رنگین ہون مین
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر　　کہتی ہے کبھی شکر کہ شیرین ہون مین

(۱۰) آنسو

دبیر　مجلس مین گل اشک عزا لوٹے ہین　　ثابت ہے دلا شیشۂ دل ٹوٹے ہین
یان اشک ریائی کا بھی ہے مول بہت　　موتی سچّے ہین جوہری جھوٹے ہین

انیس　داغ غمِ شہ سینے مین گل بوٹے ہین　　کیا کیا گھر بہشت بہا لوٹے ہین
مجلس مین ریا سے جو کہ روتے ہین انیس　　اشک اُنکے بھی موتی ہین مگر جھوٹے ہین

(۱۱) طلوعِ آفتاب

دبیر — تھی بسکہ صبحِ قتلِ شہنشاہِ نامدار — اہلِ حرم تھے جیب دریدہ و اشکبار
تارِ شعاع سے یہی ہوتا تھا آشکار — خورشید نے کیا ہے گریبان کو تار تار
پو پھٹتے ہی ۔ رسول کا دامان پھٹ گیا
زہراؑ کے بھی کفن کا گریبان پھٹ گیا

انیس — تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسمان جناب — نکلا تھا خون ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب — روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا مین ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھین موجین فرات کی

(۱۲) دولت اور شرافت کا مقابلہ

دبیر — سامان سے کوئی صاحبِ ایمان نہین ہوتا — ہر اہلِ عصا موسیِٔ عمران نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہین ہوتا — آئینہ گر اسکندرِ دوران نہین ہوتا
لاکھ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

انیس — کچھ خارِ مغیلان گلِ تر ہو نہین جاتا — قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہین جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہین جاتا — مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہین جاتا
جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہین کہتے
ہر ایک کو عاقل یدِ بیضا نہین کہتے

(۱۳) اولاد کا صدمہ

دبیر — وہ درد ہے کیا درد کہ درمان نہین رکھتا — وہ رنج ہے کیا رنج کہ پایان نہین رکھتا
کس زخم کا مرہم دلِ انسان نہین رکھتا — کس چاک کا پیوند گریبان نہین رکھتا

بے صبر جس اندوہ مین ہر ایک بشر ہے
وہ داغِ پسر داغ پسر داغ پسر ہے

جس درد کی تسکین مین عاجز ہین خردمند — وہ درد ہے کیا۔ رحلت فرزند جگر بند
جب دست و گریبان ہو یدر سے غم فرزند — وہ چاک یہی چاک ہے جس کا نہین پیوند
سچ پوچھو تو فرزند کلیجہ ہے پدر کا
ناسور جگر مین نہ ہو اس لختِ جگر کا

فرزند گل باغ تمنائے پدر ہے — بے قدر ہے وہ شاخ جو بے برگ و ثمر ہے
تعویذِ تسلّیِ دلِ خلق پسر ہے — داغ اس کا شگافِ جگر و زخم جگر ہے
کیون دل مین پدر کے ہو۔ ناسور خلف کا
جب چاک گہر کے لیے سینہ ہو صدف کا

انیس دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ — دل کو فگار کرتا ہے لختِ جگر کا داغ
آنکھون کا نور کھوتا ہے نور بصر کا داغ — مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ
یہ حال ابن فاطمہؑ کے دل سے پوچھیے
زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھیے

ماں باپ کی آسایش و راحت ہے پسر سے — تلخی مین بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خون جسم مین آنکھون مین بصارت ہے پسر سے — ایام ضعیفی مین بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر۔ قوتِ دل۔ راحت جان ہے
پیری مین یہ طاقت ہے کہ فرزند جوان ہے

مالک سے بھرے گھر کے اجڑ جانے کو پوچھو — گھر والون سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو — یعقوبؑ سے یوسفؑ کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا — بہجاتا ہے آنکھون سے لہو قلب و جگر کا

(۱۴) راکب و مرکب

دبیر۔ مرکب تو ہے پر راکبِ ذیشان بھی ہو ایسا   طور ایسا ہو تو موسیِ عمران بھی ہو ایسا
اورنگ ہو ایسا تو سلیمانؑ بھی ہو ایسا   اس شان کی ہو رحل تو قرآن بھی ہو ایسا
آ ہو بھی کہیں۔ شیرِ حجازی ہو تو ایسا
غازی ہو تو ایسا ہو جو تازی ہو تو ایسا

انیس۔ تھا زین فرس رحل تو قرآن شہِ والا   وہ تخت ہوا تھا تو سلیمانؑ شہِ والا
وہ وحشِ صبا بوئے گلستاں شہِ والا   وہ برجِ شرف نیّرِ تاباں شہِ والا
بو گل کی نسیمِ سحری لے کے چلی ہے
غل تھا کہ سلیمانؑ کو پری لیکے چلی ہے

(۱۵) امام حسینؑ کی شہزادی سکینہؑ کو وصیت وقتِ رخصت

دبیر۔ سینے پہ مرے سو چکیں اب خاک پہ سونا   آخر ہے زمیں بھی تو غریبوں کا بچھونا
گو قہر ہے اس سن میں جدا باپ سے ہونا   لاشہ مرا آ جائیگا۔ بہت مجھکو نہ رونا
گر چاہو مری روح ہو ناشاد سکینہؑ
تو غم میں مرے کیجیو فریاد سکینہؑ

انیس۔ دنیا ہے یہ شادی ہے کبھی اور کبھی آلام   راحت کی کبھی صبح مصیبت کی کبھی شام
یکساں نہیں ہوتا کسی آغاز کا انجام   وہ دن گئے کرتی تھیں جو اس سینے پہ آرام
ضد کر کے نہ اب باپ کو ایذا دو بی بی
جب ہم نہ ہوں۔ تم خاک پہ سو جایا کرو بی بی

(۱۶) زلف و رخ

دبیر۔ لاریب جرم ہے جو کہیں چاند رخ کو ہم   ہے چاند میں تو جرم یہ بے جرم لا جرم
رخ ہے وہ صبح شمس ہیں جسکے غلام   گیسو وہ شب کہ قدرِ شب قدر جس سے کم

گیسو و رخ تو قدرت داور دکھاتے ہین
ہر وقت صبح و شام برابر دکھاتے ہین

انیس۔ پیدا ہے زلف و روئے منور سے شانِ رب ۔۔۔ نکلا ہے آفتاب میان سوادِ شب
یہ لطف عید اور شبِ قدر مین ہے کب ۔۔۔ ہین دو طرف تو جبین و خط ایچ مین علب
رستہ نہ بھول جائے مسافر ہجوم مین
اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم مین

(۱۷) گرمی

دبیر۔ وہ دھوپ کہ مرغانِ ہوا کرتے ہین نالا ۔۔۔ بس ہاتھ دھرا قبضہ پہ اور پڑ گیا چھالا
بریان ہوا دانہ بھی زراعت مین جو ڈالا ۔۔۔ اس دھوپ مین اس لو مین کھڑے ہین شہِ والا
پانی کے عوض آگ برستی ہے زمین پر
پر تیرون کی بوچھار ہے جسمِ شہِ دین پر

انیس۔ وہ دھوپ کی تیزی غضب اور لو کا وہ چلنا ۔۔۔ وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
ہر ایک بدن سے وہ پسینے کا نکلنا ۔۔۔ اور تن پہ حرارت سے وہ ہتیارون کا جلنا
جنگل کے پرندے سبھی جھیلون مین پڑے ہین
اور دھوپ مین پیاسے شہِ مظلوم کھڑے ہین

دبیر۔ مٹی خراب چرخ پہ ہے برجِ آب کی ۔۔۔ رنگت ہے برجِ حوت مین ماہی کباب کی
دریا مین آنکھ بیٹھ گئی ہے حباب کی ۔۔۔ حدت ہے موج موج مین تیرِ شہاب کی
فوارے کو نہ حوض مین گرمی سے کل پڑی
پانی کی بھی زبان دہن سے نکل پڑی

انیس۔ گرداب پہ تھا شعلۂ جوالہ کا گمان ۔۔۔ انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان

منھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان ۔۔۔ تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

(۱۸) امام حسینؑ کا مدینہ سے رخصت ہونا

اور

حضرت فاطمہ صغرؑا کو بیمار چھوڑنا

(سید فضل حسین ثابت لکھنوی مؤلف حیات دبیر نے اپنے ہیرو کے کلام سے بند انتخاب کرکے ایک مسلسل مرثیہ مرتب کیا ہے اور اردو شاعری کے چہرہ سے یہ داغ دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس مین کوئی ایپک پویم (رزمیہ نظم) موجود نہین - اسی طرح سید منظور علی علوی مؤلف واقعات کربلا[1] نے میر انیس کے کلام سے بند انتخاب کرکے ایک مسلسل مرثیہ مرتب کیا ہے - جامع الاوراق اس ناچیز تالیف کو ان بیش بہا منتخبات کا پہلا سین اقتباس کرکے زینت دیتا ہے)

کلام مرزا دبیر علیہ الرحمۃ

۱ جب سراسیمہ وطن سے شہ ابرار چلے ۔۔۔ سرفروشی کو شہادت کے خریدار چلے
کہتی تھی فاطمہ صغرا کہ ہمین مار چلے ۔۔۔ لو مسیحا بھی مجھے چھوڑ کے بیمار چلے

ساتھ امّان کے نہ ہمراہ پدر جاتی ہون
لوگو بتلاؤ تو مین کیون نہین مرجاتی ہون

۲ ہاتھ پکڑے ہوئے اکبر کا ہین با اتیار ۔۔۔ بھیّا اصغر کو لیے ہو گئین امّان بھی سوار
یہ نہ جانا ہے مرے دم سے لگی اک بیمار ۔۔۔ رو کے مجرا تو لیا اور نہ کہا برخوردار

ٹھہر و اے صاحبو ٹھہرو مجھے آ لینے دو

---

[1] یہ کتاب انوار المطابع لکھنؤ مین بقیمت عہ ملتی ہے۔

بھیتا اصغر کو کلیجے سے لگا لینے دو

مجھ کو الفت ہے تمھاری تمھیں الفت ہی نہین (۳) ساتھ دوڑون جو سواری کے سو طاقت ہی نہین
امّان لین گو دمین ایسی مری قسمت ہی نہین پیار آجائے پدر کو سو یہ صورت ہی نہین

لونڈیان ساتھ چلین آج عزیزوں کی طرح
مَیں جو بیٹی تھی رہی گھر میں کنیزوں کی طرح

جس نے چلنے کو کہا سب نے کہا بسم اللہ ۴ مجھ سے جھوٹون بھی نہ پوچھا مین گنہگار تھی آہ
گر خطا ہے یہ خطا ہے جو گنہ ہے یہ گناہ ان دنون شدت تپ سے مری حالت ہے تباہ

یہی نا دو دو پہر غش مین پڑی رہتی ہون
اب تو ہشیار ہون چلنے کے لیے کہتی ہون

بیٹھے بیٹھے مرا اس وقت کا جیلنا دیکھو ۵ گِرنا بے ساختہ مشکل سے سنبھلنا دیکھو
تپ مین کیا دیکھا تھا اب دل کا اچھلنا دیکھو ہاتھ مین باندھتی ہون ہاتون کا ملنا دیکھو

زردی آنکھون کی۔ تڑپ دل کی دھڑک سینے کی
سب یہ مرجانیکی باتین ہین نہین جینے کی

یک بیک میرے مقدر کا بگڑنا دیکھو ۶ پاؤں پڑتی ہوں مرا پاؤں رگڑنا دیکھو
سانس کا بات کے کہنے مین اُکھڑنا دیکھو حال یہ اس پہ عزیزون کا بچھڑنا دیکھو

غیر بھی ایسے مریضون کو نہ تنہا چھوڑین
حیف ہے بیٹی کو اس وقت مین بابا چھوڑین

میری خاطر جو کرین کیا ہے حرج میرے بن ۷ دل کے بہلانے کو ہمراہ ہین بچے کم سن
اُن کی خاطر ہے روا چلنا ہے جن کا ممکن میرا کیا آج اگر مر گئی کل دوسرا دن

اُنس کبرا و سکینہ کا ہے خوش ہونے کو
مجھ سے الفت کرین چالیسوین تک رونے کو

یہ تو اس کوچ سے اب ہوگیا صغرؔا کو یقین (۸) باپ کے ہاتھ کی مٹی مری قسمت مین نہین
سب کو بابا نے مرے سامنے اسواریان دین مجھکو تابوت ہی چھوٹا سا منگا دین شہِ دین
بعد مرنے کے لبِ گور جو جائے صغرؔا
باپ کے ہاتھ کا تابوت تو پائے صغرؔا

امّان واقف ہین مجھے بھائی ہے اصغرؔ کی لو (۹) کرتا پہنا ہوا اُس کا دیے جائین مجھکو
وقت مرنے کے وصیت یہ کرون گی رُو رُو کرُتا اصغرؔ کا کفن مین مرے رکھیو لوگو
قبر مین بھائی کے کرتے پہ مرا ہاتھ رہے
یہ دوا دل کے تڑپنے کی مرے ساتھ رہے

ہائے اسی مین ہون یہ تنہائی ہے اور سُونا گھر (۱۰) نہ خبر مجھکو تمھاری نہ تمھین میری خبر
دل کے بہلانے کو تم سب کے ہین بھیّا اصغرؔ خالی جھولے سے مین ٹکراؤن گی یہان اپنا سر
الفتین دیکھ کے ایک ایک کی مین سیر ہوئی
ہائے اللہ مری موت کو کیون دیر ہوئی

مین نے چاہا تھا نہ دکھلاؤن یہ حال اپنا زبون (۱۱) جاؤن در پر بھی نہ رخصت کے لیے مین محزون
پھر مین سوچی کہ حقیر اور بھی کہنے مین ہون بات ہی جب نہ کوئی پوچھے تو کس سے روٹھون
متوجہ جو کسی کو مین نہین پاتی ہون!
آپ ہی روٹھتی ہون آپ ہی مَن جاتی ہون

کہتے کہتے یہ گری خاک پہ صغرؔائے ناگاہ (۱۲) سمجھے سب مرگئی وہ بولے کہ انّا للہ
پردہ محمل کا اُٹھایا تو پکارین یا شاہ نامبارک ہے سفر مرگئی بیٹی مری آہ
کیا صغرؔا نے سفر مین نہ سفر جاؤنگی
چھوڑ کے بیٹی کی میت کو کدھر جاؤنگی

اُترے روتے ہوئے گھوڑے سے امام خوشخو (۱۳) اور کہا کہدو ابھی کوچ کا نقّارہ نہ ہو

گودمین بیٹی کو لیکر کہا بی بی بولو دیکھکر نبض دھرا ہاتھ کو دل پر رو رو
غش سے صغرے کے جو سب بیبیون کو سکتا تھا
روکے اصغرؑ بھی بس ایک ایک کا مُنہ تکتا تھا

ہوش مین آئی جو صغریٰؑ تو کیا شہ نے مقال (۱۴) اس نقاہت پہ مری جان سفر کا ہے خیال
بولی وہ مین بھی تو بابا یہی کرتی ہون سوال چھوڑ و تنہا اُسے تم گھر مین ہو جسکا یہ حال
بعد اگر آپ کے جانے کے غش آتا مجھکو
کون اِس پیار سے گودی مین اُٹھاتا مجھکو

گو کہ مین غش مین تھی پر صاف یہ کانون سے سنا مجھکو غش آیا تو چلاّ کے یہ امان نے کہا
دوڑو صاحب کہ ہوئی غش مری بیٹی صغراؑ بعد انکے بھی کوئی چاہیگا مجھکو ایسا
نانی صاحب کو بھی گو میری بہت الفت ہے
مان کی شفقت مین مگر اور ہی کچھ لذت ہے

دردِ سر سوزشِ دل رنج بخار ایک طرف (۱۶) اور یہ ہجر شہِ عرش وقار ایک طرف
سو علاج ایک طرف آپ کا پیار ایک طرف لاکھ چین ایک طرف شہ کا کنار ایک طرف
گر قضا ہے تو فراقِ شہِ ابرار سے ہے
گر شفا ہے تو اسی شربتِ دیدار سے ہے

چاند کے ٹکڑے چلے ہین کئی ہمراہ حضور (۱۷) چشم بد دور کہ ہے راہ کا خطرہ مشہور
وقت پر چاہیے کچھ ان کے تصدق کو ضرور صدقے ہونے کے لیے چلتی ہے صغریٰؑ رنجور
جس پہ تم چاہیو اس پر مجھے قربان کرنا
لیکن اصغرؑ پہ فدا کرنا تو احسان کرنا

یہ جو کہتے ہو کہ منزل مین کہان ہوگی دوا (۱۸) سو ابھی سے تمھین اس بات کی دیتی ہون رضا
آپ کی جان سے دور آئے اگر میری قضا نہ حرج کیجیے گا میرے لیے منزل کا

طور بے طور جہان دیکھیو اس دختر کے
چھوڑ جانا علی اصغر پہ تصدق کر کے

منھ پہ حضرت کے یہ کوئی نہ کریگا چرچا (۱۹) مردہ صغرے کا کئی دن رہا جنگل مین پڑا
اور کہیگا بھی تو ہے آپ کے کہنے کو بجا اپنی بیٹی کا مین مختار تھا چاہا سو کیا
مردہ صغرے کا جو ویرانے مین چھوڑ آیا ہون
مرنے والی کی وصیت مین بجا لایا ہون

رو کے شہ بولے یہ کیا تو نے سنایا اے وائے ۲۰ اے مری جان ترا مردہ اور اس قابل ہائے
مرتے دم چھوڑ کے رستے مین تجھین یا با جائے نہ تو نہلائے نہ کفنائے نہ تمکو دفنائے
گو ثواب اس مین تجھے اے مری صغرا ہوگا
پر مرے واسطے دنیا مین کہو کیا ہوگا

ہے یہ وہ موت کہ ہاتھ آتی ہے ہر ایک کے کم ۲۱ اس مزے سے وہی واقف ہے جو ہوئیون بیدم
رو کے صغرے نے یہ کی عرض کہ یا شاہ امم پھر سزاوار ہے کون اس کا کہا شاہ نے ہم
جا کے سر منزل آخر مین جو کٹوائین گے
بے کفن چھوڑ کے سب ہم کو چلے جائین گے

یہ خبر سنتے ہی گویا ہوئی صغرے بیدم تذکرہ کرنے لگے اور شہنشاہ امم
بانو صغرے سے لگی پوچھنے رخصت ہون ہم بس نہ رو تمھین اپنے علی اصغر کی قسم
کچھ ہراسان ہوئی اور کچھ ہوئی مضطر صغرے
گر پڑی اونٹ کے نزدیک مچل کر صغرے

پھینک کر ٹوپی کو ہاتھون سے ملا منھ پہ غبار کھولے بازو سے پھر اس رنج مین تعویذ بچار
بالیان کانون سے خلخال لی پاؤن سے اتار ہنسلیان طوق گلے سے بھی اتارے یکبار
کہا بانو نے کہ صغرے کو سنبھالو کوئی

غصّہ آیا مری بی بی کو منالو کوئی

کہا صغرا نے کہ بس بس نہ کڑھاؤ امّاں (۲۴) کون ہوں میں مجھے کاہے کو مناؤ امّاں
اب یہ زیور بھی سکینہ کو پہناؤ امّاں   میں نہیں بولتی جاتی ہو تو جاؤ امّاں
جان پر کھیلی ہوں زنہار نہیں جینے کی
لو قسم کل سے دوا بھی میں نہیں پینے کی

مرنے والی کے لیے کچھ نہیں زیور درکار (۲۵) جس کو چاہو اسے بخشش کرو تم ہو مختار
میں نہیں باندھوں گی لیجاؤ یہ تعویذ بچار   آپ کے ہاتھ کے پہنوں گی نہ کُرتے زنہار
آج سے فرش پہ صغرا کا نہ سونا ہوگا
سنگ تکیہ مرا اور خاک بچھونا ہوگا

کہا بانو نے میں صدقے گئی کچھ میری خطا (۲۶) مجھ پہ غصّے ہوئیں اور بات پہ کچھ بس نہ چلا
بولی صغرا کہ میں ناحق تو نہیں تم سے خفا   تم جو لے چلتیں مجھے کیا کوئی شکوہ کرتا
ہے شکایت تمہیں صغرا کے خفا ہونے کی
میری غربت پہ ہے اس وقت جگہ رونے کی

رو کے بانو نے کہا میں تری غربت پہ فدا (۲۷) گر کہو اونٹ سے اب اُتروں میں بیکس دکھیا
ہاتھ باندھوں میں ترے پاؤں پڑوں اے صغرا   پھر ملوں یا نہ ملوں تم ہو مادر سے خفا
راہ بھر جاؤں گی روتی تری خاطر صغرا
پہلی منزل ہی میں ہو جاؤں گی آخر صغرا

ماں کی منّت سے حیا آگئی بولی رو رو (۲۸) امّاں لو جاؤ سدھارو تمہیں سونپا حق کو
بھیّا اصغر سے ذرا کہہ دو بہن کو دیکھو   دودھ پیتے ہو تو تکلیف نہ دو کچھ نہ کہو
چاہتے ہیں جو مجھے آپ ہمک کر دیکھیں
دیکھوں اصغر کو میں اب اور مجھے اصغر دیکھیں

مان کے آغوش مین اُن پی رہا تھا دودھ اصغر ۲۹ سن کے بیمار کی آواز وہ ہمکا رو کر
کی ہراک سمت کو الفت بھری آنکھون سے نظر کہا صغرا نے ادھر دیکھو کھڑی ہون مین اِدھر
سہمے سہمے ہوئے کچھ تم نگران ہوتے ہو
سرمہ آنکھون کا بہا جاتا ہے کیون روتے ہو

الوداع اے مرے ننھے سے مسافر نادان ۳۰ الوداع اے مرے معصوم مین تجھپر قربان
آج ہی منھ پہ ہے پردیسیون کی ساری شان مسکرانا۔ نہ اشارہ۔ نہ ہمکنا اُس آن
میرے بھولے۔ مرے پیارے مرے کمسن بھائی
گھٹنیون بھی نہ چلے گھر مین تم اک دن بھائی

چشم بد دور جب ان آنکھون کا آئیگا خیال ۳۱ آنکھین رو رو کے شب روز کرونگی مین لال
دل پہ لہرائینگے ہر دم یہ جھنڈولے ترے بال انھین بالون کی طرح ہوگا پریشان مرا حال
چوستے پر ان انگوٹھون کے ہو قربان صغرا
اب رہیگی یہان انگشت بدندان صغرا

ایک ایک دم مین ترے لاکھ دم اے نور نگاہ ۳۲ مصطفےٰ تیرے نگہبان علی پشت و پناہ
صدوسی سال ترے سر پہ سلامت رہین شاہ باپ کے سایہ مین پروان چڑھائے اللہ
تب مین ہون اس لیے گودی مین نہین لیتی ہون
ضامنی مین تمھین اللہ کی مین دیتی ہون

پھر یہ زینب سے کہا راتون کو مین تڑپونگی ۳۳ جلد تم لاؤ گی بابا کو تو لونڈی ہونگی
ہان پھوپھی اپنے پدر کو مین تمھین سے لونگی وہ بیمار ہین۔ جو خدا چاہیگا تو ہان دونگی
وعدہ اسکا تو نہین تم سے کیے جاتی ہون
پر ندا کرنے کو دوپٹے لیے جاتی ہون

اس طرح ہوتی تھی اِک ایک سے رخصت بیمار ۳۴ کہ بجا کوچ کا نقارہ ہوئے شاہ سوار

درِ دولت سے بڑھی آگے سواروں کی قطار — ناگہاں آئی صدا ایک طرف سے اک بار
سمجھو اب خاتمۂ پنجتن پاک ہوا
سنی جس جس نے وہ آواز جگر چاک ہوا

کلام میر انیس علیہ الرحمۃ

کنعانِ محمد کے حسینوں کا سفر ہے — ۱ — خورشید لقا زہرہ جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے — اِک دن کا نہیں کوچ مہینوں کا سفر ہے
گلرو چمن دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے — ۲ — جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے — چھٹتا نہیں وہ جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام — ۳ — کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمۂ و آلام — منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو ٹیکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

اُس فصل میں ہے نہضت فرزند پیمبر — ۴ — جن روزوں کبھی پھیر بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اُڑتی ہے لو چلتی ہے دن بھر — جھیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدّت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں پتے بھی درختوں میں نہیں ہیں

وہ لو وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا — ۵ — سردی میں ہو ذکر اُسکا تو آجائے پسینا

دشوار ہے اس دھوپ مین معصومون کا جینا   ویرانہ ہے بستی مین اُجڑتا ہے مدینا

حضرت بھی گھلے جاتے ہین تشویش سفر سے

ہین ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہین گھر سے

برپا ہے مدینہ مین تلاطم کئی دن سے ۶ ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے

ہر گھر مین ہے اک شور تظلم کئی دن سے   منھ ڈھانپے ہوے روتے ہین مردم کئی دن سے

وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہین کوئی

راتین کئی گذری ہین کہ سویا نہین کوئی

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے ۷ کیا جانیے خط کوفہ سے کس طرح کے آئے

روضہ پہ نبیؐ کے شہِ دین رہنے نہ پائے   کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے

کوفے مین محبت نہ مروّت نہ حیا ہے

خط مکر کے لکھے ہین بلانے مین دغا ہے

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے ۸ جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے

سب کہتے ہین برسا کے لہو دیدۂ تر سے   چھپ جائیگا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے

اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا

اس شہر کی گلیون مین اُجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر مین ۹ تاریک ہے دنیا کسی غمگین کی نظر مین

ہین جمع محلہ کی جو سب بی بیان گھر مین   اک حشر ہے ناموسِ شہِ جن و بشر مین

سب مل کے بکا کرتے ہین جب آتا ہے کوئی

یون روتے ہین جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی

سب کہتے ہین زینب سے کہ اے شاہ کی شیدا ۱۰ کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا

پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا   وہ دھوپ پہاڑون کی وہ لو اور وہ صحرا

کیا سوچ کے اس فصل مین شبیر چلے ہین
بچون پہ کرو رحم کہ نازون کے پلے ہین

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا ۱۱ آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
جھولا یہ کہان اور کہان نرم بچھونا لکھا تھا اسی سن مین مسافر انھین ہونا
کیا ہوگا جو میدان مین ہوا گرم چلیگی
یہ پھول سے کمھلائین گے مان ہاتھ ملیگی

سنتے ہین یہ ہر وارد و صادر کی زبانی ۱۲ جھیلون مین بھی نہرون مین بھی سب خشک ہے پانی
اس فصل مین ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی کس طرح جیین گے اسد اللہ کے جانی
کونسا ہوا جسم کبھی جانبر نہین ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہین ہوتا

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے ۱۳ کچھ تم کو بہارون کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت مین جوانون کے تلف ہونے کا ڈر ہے رحم اسپہ ہے لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو قلق مان کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھین زینب نہین ہنو کوئی چارا ۱۴ قسمت مین تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا مجبور ہے مضطر ہے ید اللہ کا پیارا
ایام مصیبت ہین یہ تنہائی کے دن ہین
غربت کی شبین یاد یہ بیمائی کے دن ہین

باتین یہ ابھی تھین کہ شہ بحر و بر آئے ۱۵ دیکھا رخ ہمشیر کو اور اشک بہائے
مان بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے روتے ہوئے تشریف شہ دین وہین لائے
بیٹی شہ ذی جاہ کی تعظیم کو اٹھی

بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اٹھی

جلد اسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت ۱۶ بیٹھو کہ ابھی اٹھنے کی تم مین نہین طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت — کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت تمھین حق دے یہی بابا کی دعا ہے ۱۷ اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے — کیا جانیے شبیر کی تقدیر مین کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ مین تمھین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھلا جاتا ہون صغرا

ایسا صفر صعب[۵۱] اور اس طرح کا بیمار ۱۸ ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہین راہ مین آزار
کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہے نمودار — سب زرد ہے ازمانِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر ۱۹ بی بی کہو محمل مین چڑھا جائے گا کیونکر
گھر مین تمھین پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر — پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر
تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب سے ہے یہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہین ایام ۲۰ منزل پہ نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام — دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام
صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

۵۱ صعب بالفتح دشوار بالضم غلط ہے

گھر مین تمھین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا ۲۱ لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمھارا
بچون مین کوئی تم سے زیادہ نہین پیارا مجبور ہون بے ہجر نہین اب کوئی چارا
فرقت مین سدا نالہ و فریاد کرونگا
اُترونگا جو منزل پہ تمھین یاد کرونگا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے مین قربان ۲۲ پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہو دھیان
صدقے گئی صحت کا بھی ہوجائیگا سامان مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان
جس پر نظرِ لطفِ مسیحِ دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دن مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت ۲۳ تپ کی بھی ہے شدّت مین کئی روز سے خفّت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا ۲۴ سب سہل ہے کچھ مجھکو نہین ہونیکی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہون اے سیدِ والا مین خانۂ ویران مین نہین رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھ بوے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤن گی بچھڑی جو مسیحِ دوسرا سے ۲۵ صحّت مجھے ہوجائیگی حضرت کی دُعا سے
کٹ جائیگا اندوہِ سفر فضلِ خدا سے بیمار ہین جان آئیگی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہین روؤنگی نہ غم کھاؤن گی بابا
لیٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤن گی بابا

کیا تاب اگر منھ سے کہون درد ہے سر مین ۲۶ اُف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین

بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر مین — قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر مین
ہو جانا خفا راہ مین گر روئیگی صغرا
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغرا

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہو مادر ۲۷ ہر صبح مین پی لونگی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی مین رہین گے علی اصغر — لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ ۲۸ مین کہہ نہین سکتا مجھے در پیش ہے جو راہ
کھل جائیگا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ — ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہون صغرا

اے نور بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا ۲۹ تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا — یہ ضعف کہ دم تک نہین سینے مین سنبھلتا
جز صبر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی ۳۰ پردیس سے آکر تمھین لیجائین گے بھائی
کی مجھ سے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی — ممکن ہے کہ مین اور نہ کرون وعدہ وفائی
خوش ہونگا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مر جاؤنگا جب مین تو نہ کیا صبر کروگی

ثابت ہوا صغرا یہ کہ اب ہم رہے گھر مین ۳۱ بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین
اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین — صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تنِ زار کہ تپ آگئی اُس کو

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم ۳۲ چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موئے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہِ عالم میرے تو کلیجہ پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار ۳۳ سب کی یہی مرضی ہے کہ مرجائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں جائینگی وہ ہمراہ ۳۴ کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہونگی تو سب یاد کریں گے

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار ۳۵ ہے کون سی تقصیر کہ سب ہوگئے بیزار
زندہ ہوں یہ مردے کی طرح ہوگئی دشوار کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے میں واری ۳۶ دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریہ وزاری میں کون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے

مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

سب بیبیان رونے لگین سن سن کے یہ تقریر ۳۷ چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو کوچ مین اب ہوتی ہے تاخیر   منھ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اُچھا، تو کہا مُنھ سے پہ آنسو نکل آئے

پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر ۳۸ کیا مجھ سے خفا ہو گئین صغرا مری تقصیر
چلّانے لگی چھاتی پہ منھ رکھ کے وہ دلگیر   محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفون پہ وارے مجھے کوئی

ہان سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہین جانا ۳۹ صحّت سے جو ہین اُن مین کہان میرا ٹھکانا
بھیّا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا   ہم گور کی منزل کی طرف ہون گے روانا
کیا لطف کسی کو نہین گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے غم اس کا نہین زنہار ۴۰ دھڑکا ہے کہ جب ہونگے عیان موت کے آثار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رُخ بیمار   یٰسٓ بھی پڑھنے کو نہ ہو گا کوئی غمخوار
سانس اُکھڑیگی جس وقت تو فریاد کرونگی
مین ہچکیان لے لیکے تمھین یاد کرون گی

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان ۴۱ گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچّی ترا اللہ نگہبان   صحّت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہین بیٹا

اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری ۴۲ مین صدقے گئی بس نہ کرو گریۂ و زاری
آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری وہ کانپتے ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تپ ہے تمھین چھاتی سے بھی لپٹا نہین سکتی ۴۳ تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
رکھ لون تمھین امّان کو مین سمجھا نہین سکتی جو دل مین ہے وہ لب پہ سخن لا نہین سکتی
بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

صغرا کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اک بار ۴۴ معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار لے لیکے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار
دنیا سے کوئی دم مین گزر جائیگی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجائے گی صغرا

چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا ۴۵ عباس نے اتنے مین یہ ڈیوڑھی سے پکارا
اُٹھے شہ دین۔ گھر تہ و بالا ہوا سارا لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پُر نم نظر آئی
اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار ۴۶ بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
پردے کی قناتون سے خبردار خبردار فراشون کو عباس پکارے یہ بتکرار
باہر حرم آتے ہین رسول دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکون سے ہوا کے

آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے ۴۷ لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے

ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے   دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف انکو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباسؑ علی سے علی اکبر نے کہا تب   ۴۸   ہیں قافلہ سالار حرم حضرت زینب
پہلے ہوں وہ اسوار تو محمل میں چڑھیں سب   حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہراؑ کی جگہ بنت علیؓ ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

زینب وہ محمل جو ہوئی دختر زہراؑ   ۴۹   ناقوں پہ چڑھے سب حرم سید والا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردہ   عباس سے بولے یہ شہ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روح نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبر رسول عربیؐ پر

ہے قبر پیمبرؐ کی مقدم مجھے جانا   ۵۰   کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا   اس مرقد پر نور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے

پیدل شہ دیں روضۂ احمدؐ کو سدھارے   ۵۱   تربت سے صدا آئی کہ آ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیر لپٹ کر یہ پکارے   ملتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کوئی امن کی اب جا نہیں ملتی   ۵۲   راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی   ہیں آپ جہاں راہ وہ اصلا نہیں ملتی

پابندِ مصیبت ہون گرفتارِ بلا ہون
خود پاؤن سے اپنے طرفِ قبر چلا ہون
مین اک تنِ تنہا ہون ستمگار ہزارون ۵۳ اک جان ہے اور درپئے آزار ہزارون
اک پھول سے رکھتے ہین خلش خار ہزارون اک سر ہے فقط اور خریدار ہزارون
وان جمع کئی شہر کے خونریز ہوئے ہین
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہین
فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیر ۵۴ یان قید کی ہے فکر اُدھر قتل کی تدبیر
تیغین ہین کہین میرے لیے اور کہین زنجیر خونریزی کو کعبے تلک آپہونچے ہین بے پیر
بچ جاؤن جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت مین نواسے کو چھپا لیجیے نانا
فرما کے یہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے ۵۵ وان سے جو اُٹھے فاطمہ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے آواز یہ آئی کہ مین صدقے مرے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن مین
پیارے مین اُسی دن سے تڑپتی ہون کفن مین
پہلو مین جو تھی فاطمہ کے تربتِ شبّر ۵۶ اُس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر
چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر حضرت کو تو پہلو ہوا امّان کا میسّر
قبرین بھی جدا ہین تہِ افلاک ہماری
دیکھین ہمین لیجائے کہان خاک ہماری
یہ کہکے چلے قبرِ حسن سے شہِ مظلوم ۵۷ رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا

تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

تھا نانکے تلک شہر کے اک شور قیامت ۵۸ سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
روروکے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت پائین گے کہان ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر کو بچھڑ کر کفِ افسوس ملین گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلین گے

قسمین انھین دے دیکے کہا شہ نے کہ جاؤ ۵۹ تکلیف تمھین ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھین آنسو نہ بہاؤ پھرنے کے نہین ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے ۶۰ جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے عابد طرفِ خانۂ اللہ سدھارے
اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر مین
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر مین

(۱۹) لشکرِ یزید کے ایک پہلوان کی تصویر

(حریف مخالف اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اس پر فتح پانے کی عزت گھٹ جاتی ہے اور اگر اس کی تعریف کیجائے تو مذہب مانع ہوتا ہے۔ ایسے مشکل موقع پر یہ دونون شہنشاہانِ سخن حسبِ ذیل طرز اختیار کرتے ہین۔)

دبیر

سرتا بقدم زہر زبان سانپ۔ دہن غار شعلہ تھی نگہ۔ آنکھ تھی تنورِ شرربار
نخوت تھی وہ تیوری مین کہ تھے اپنے بھی بیزار تلوار دھرے چہرے پہ خود بینی غدار
اشتر پہ وہ ناری تھا کہ شعلہ بھی دھوان تھا

یاریت کا پشتہ تھا کہ جادو سے رواں تھا

فولاد کے قلعے میں چھپائے ہوئے سر کو
باندھے ہوئے زنجیر کے پٹکے سے کمر کو
دو چلتوں میں وسواس سے پنہاں کیے سر کو
اندھیر کی نیت میں لیے منھ پہ سپر کو
لڑنے میں کماں چھوٹتی تھی ساتھ سے اُسکے
آرام نہ تھا چرخ کو بھی ہاتھ سے اُس کے

انیس

سر طبلک معکوس جبیں حد سے فزوں تنگ
غدار سیہ شور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہنے کو بشر پر قد و قامت کا نیا ڈھنگ
حیران شب ظلمات ہو یہ تیرگیِ رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا منہ اُس دشمن رب کا
بن جائے تو عکس سے آئینہ حلب کا

لال آنکھیں وہ ظالم کی وہ منھ قبر سا کالا
شب ایک طرف دن کو ڈرے دیکھنے والا
قد دیو کی قامت سے بلندی میں دو بالا
دانتوں کی کبودی دہن مار کا چھالا
شیر اُس کی صدا سن کے لرز جاتے تھے بن میں
فاسد تھی ہوا ان کی۔ وہ بد بو تھی دہن میں

بالا قد و گلفت و تنومند و خیرہ سر
روئیں تن و سیاہ درون آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے۔ ترکش اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

نکلا یہ سنکے غیظ میں اک پہلوانِ روم
گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ و پُر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم
لنگر سے جسکے ہل گئی مقتل کی مرز بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا

گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

(۲۰) امام مظلوم کی بے کسی۔

دبیر

مومنو بے کس و بے یار ہے مظلوم حسینؑ
سخت آفت میں گرفتار ہے مظلوم حسینؑ
کیا سراسیمہ و ناچار ہے مظلوم حسینؑ
دل شکستہ جگر افگار ہے مظلوم حسینؑ
نیزے کاری ہیں لگے زخم پہ شمشیروں کے
نیزوں کے زخموں میں پیوستہ ہیں پھل تیروں کے

سینہ زخمی ہے بدن زخمی کلیجا زخمی
انگلیاں زخمی ہیں اور ساعد زیبا زخمی
ہونٹ زخمی ہیں گلا زخمی ہے ماتھا زخمی
نام کس عضو کا لوں میں ہے سراپا زخمی
ایسے زخمی کو تو کافر بھی پلائیں پانی
حیف سیّد سے مسلمان چھپائیں پانی

دل کا یہ حال ہے پژمردہ ہوا جاتا ہے
ایک دریا ہے کہ زخموں سے بہا جاتا ہے
ایک دم میں جو کئی بار غش آجاتا ہے
کوئی برچھی کوئی تلوار لگا جاتا ہے
تیر ایک ایک جگر میں جو قریب دل ہے
سانس کی آمد و شد سینے میں کیا مشکل ہے

تن سے گر کھینچتے ہیں ایک بھی پیکان شبیرؑ
اتنے عرصے میں لگاتے ہیں عدو سیکڑوں تیر
کھا کے تیروں کو اگر کرتے ہیں قصد تکبیر
پاس سے نیزے لگاتے ہیں دہن پر بے پیر
ایک پیکان جو سینے سے گذر جاتا ہے
خون کے روکنے کو دوسرا تیر آتا ہے

کیا زخمی ہے کہ غصّہ نہیں آتا ہے ذرا
کیا کریمی ہے کہ سر کرتے ہیں امت پہ فدا
کیا تحمل ہے کہ ہر زخم پہ ہے شکر خدا
کیا شجاعت ہے کہ لاکھوں میں کھڑے ہیں تنہا

تیر بھی نیزے بھی سینے پہ لیے جاتے ہین
پر دعا نانا کی امت کو دیے جاتے ہین

انیس

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے — ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکر اعدا مین صف آرائی ہے — یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
"مار لو پیاسے کو" ہے شور ستمگارون مین

خون مین تر ہیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے — ہے جبین چاند سی پر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے — تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیر سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی اگر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے — مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے — بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہرا و علی گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

لاکھ شمشیر ہین اور ایک تن اطہر ہے — ایک مظلوم ہے اور ظالمون کا لشکر ہے
سیکڑون خنجر فولاد ہین اور اک سر ہے — نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اٹھا سکتے نہین
سامنے اہل حرم روتے ہین جا سکتے نہین

اقتباسات کا سلسلہ طویل ہو گیا۔ اب صرف ایک شعر اور سن لیجیے۔

دبیر: انصاف کہان سچ ہو کہ دل صاف نہین ہے — دل صاف کہان سچ ہو کہ انصاف نہین ہے

انیس عالم ہی مکدر کوئی دل صاف نہین ہے — اس دہر مین سب کچھ ہے پر انصاف نہین ہے

مغربی سادگی کے دلدادہ کہین گے کہ سعدی و فردوسی کو اگر جامی ـ نظامی پر ترجیح ہے ـ شیکسپیر کی منزلت اگر ملٹن سے زیادہ ہے تو انیس کا مرتبہ دبیر سے بلند ہے اور وہ اُس تحسین اور ستایش کا خراج وصول کرنے کے مستحق ہین جو بیسوین صدی عیسوی مین ہندوستان کے ہر گوشہ سے اُن کے کلام پر نثار کیا جا رہا ہے

مشرقی نازک خیالیون کے فدائی اصرار کرین گے کہ انیس و دبیر سپہر سخنوری کے شمس و قمر تھے جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ـ دنیا کو دونون کی ضرورت تھی ـ

اور اُن سا کوئی غرب سے تا شرق نہین ہے
دو ٹکڑے ہین اک سیب کے کچھ فرق نہین ہے

فقیر امیر کا مشرب صلح کل ـ با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام ـ وہ دونون کا ہم زبان بن جاتا ہے مگر (دبیریون کی نظر بچا کر) اُسکا عقیدہ وہی ہے جسکی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ـ

انیس اب تو ہلال و بدر کو یکسان سمجھتے ہین
رہی ہے منصفون مین قدر یہ صاحب کمالون کی

بزرگانِ ملک نے یہ رسم بنائی ہے کہ کسی شاعر یا ادیب کی سوانح عمری لکھتے ہین تو اُس کے کلام کا دوسرے مشاہیر سے مقابلہ کر کے اپنے ہیرو کی ترجیح ثابت کرتے ہین ـ

بعض برادران وطن نے یہ ظلم شروع کیا ہے کہ اپنے چست و بلند کلام کا حریفون کے سست و پست سخن سے موازنہ کر کے رند و صبا کا مرتبہ مرزا و میر سے بڑھا دیتے ہین ـ

تقابل کلام ادب کے لیے مفید ہے بشرطیکہ انتخاب دیانت سے کیا جائے اور جن اساتذہ کے رشحات قلم سے موازنہ مد نظر ہو تو اُن کے متحد المضامین اشعار نقل کر دیے جائین ـ مشک کی بو چھپ نہین سکتی اہل نظر خود امتیاز کر لین گے کہ کس کا مرتبہ اعلے ہے ـ

یہ اصول پیش نظر رکھکر اس تالیف مین کلام انیس کی لطافتین ـ نزاکتین دکھانے اور منطق و

فلسفہ کے دلائل سے میر صاحب کا پلہ گران تر ثابت کرنے کی کوشش نہین کی گئی۔ میر صاحب اور اُنکے حریف مقابل مرزا دبیر کے متحد المضامین اشعار درج کر دیے ہین اور میر صاحب کا تفوق ثابت کرنے کے بہانے سے کتاب کا حجم نہین بڑھایا ہے۔

خورشید کو کچھ حاجتِ زیور نہین زنہار
پھولون پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار

ہندوستان مین مرثیہ کی عہد بعہد ترقی کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیا گیا اور ہر دور کے بعض شعرا کا کلام بھی بطور نمونہ درج کیا گیا جس سے ثابت ہو گیا کہ اس ملک مین مرثیہ ابیات سے شروع ہوا۔ پھر مربع کہا گیا۔ سکندر و سودا نے مسدس کا آغاز کیا۔ میر ضمیر نے رزم و سراپا مرثیون مین شامل کیا۔ اور غلط الفاظ جن کا استعمال بیان مصائب مین جائز سمجھا جاتا تھا ترک کیے۔ میر انیس نے اس فن کو معراج کمال تک پہونچایا اور مرثیہ گوئی کو حقیقی شاعری بنا دیا۔ ادبی حیثیت سے اس صنف سخن کو خوب عروج ہوا مگر مورخ کی نظر مین ترقی معکوس ہوئی۔ بچپن مین جو سادگی اور صحت روایات کا التزام تھا عنفوان شباب مین باقی نہ رہا اور جوانی کے وقت ضعیف اور موضوع حکایات کا گہنا اس قدر پہنایا گیا کہ اصلی خط و خال بھی چھپ گئے۔ مرثیہ کا مقصود محبانِ حسینؑ کو رُلانا تھا اور ایک ہی قسم کی روایات بار بار سنتے سنتے عزاداروں کے آنسوؤن کا خزانہ خشک ہو گیا تھا ضرورت تھی کہ کتب احادیث و مقاتل سے غیر مشہور حکایتین تلاش کیجائین اور اُن پر شاعری کا روغن چڑھا کر مجالس مین گرمی پیدا کیجائے مَن بَکٰی اَوْ اَبْکٰی اَوْ تَبَاکٰی کا فرمان شعرائے لکھنؤ کی چشمِ عقیدت کا سُرمہ تھا۔ غمِ حسینؑ مین رونا رُلانا داخل عبادت سمجھکر اُنھون نے ہر ایک درد انگیز روایت کو بے تکلف نظم کرنا شروع کیا اور اس تحقیق کی کوشش نہین کی کہ کون سی روایت ضعیف ہے اور کون سی موضوع زعفر جن ابو الحارث آہوان چین اور شہزادی حلب وغیرہ کے افسانے جن پر زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ اعتراض کرتے ہین اسی سلسلہ مین نظم ہو گئے۔ راویون کی جرح و تعدیل علم حدیث کا دشوار ترین

شعبہ ہے ایک ہی راوی کو بعض علما ثقہ اور متدین اور دوسرے مبتدع اور وضّاع بتاتے ہین۔ اگر شعرا اپنا وقت عزیز تحقیق رواۃ مین صرف کرتے تو "سیرت" اور "رجال" کو شاید فائدہ پہونچتا لیکن شاعری رخصت ہو جاتی اور جو سرمایہ دلکش نظمون کا آج ہمارے پاس موجود ہے عالم وجود مین نہ آتا۔ دیکھیے حضرت امام کا مجبور ہو کر اپنی عزیز بیٹی کو بیماری کی حالت مین تنہا خانہ ویرانی مین چھوڑنا نہایت ضعیف روایت ہے اگر یہ حکایت نظم نہ کی جاتی تو اردو شاعری اس بے نظیر بیت سے محروم رہجاتی جو حضرت صغرا کی زبان سے میر صاحب نے ادا کی ہے۔ ؎

حیرت مین ہون باعث مجھے کھُلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چُرالیتا ہے مُنہ تکتی ہون جس کا

اسی طرح حضرت شہر بانو کا معرکۂ کربلا مین موجود ہونا روایات صحیحہ سے ثابت نہین اگر سخن سنج اس قصہ کی تحقیق شروع کرتے تو وہ بے شمار دردناک اشعار جو "رخصت امام از اہل حرم" کے موقع پر شعرا نے اُن کی زبان سے ادا کیے ہین نظم اردو کو نصیب نہ ہوتے حضرت قاسم کی میدان کربلا مین شادی مسلمانون کا ایک گروہ بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ اگر اس حکایت کے نظم کرنے سے احتراز کیا جاتا تو درد انگیز اشعارون کا وہ لازوال گنجینہ نصیب نہوتا جو اسی قصہ کی بدولت دستیاب ہوا ہے۔ ضمیر کا مصرع۔ دست بریدہ مین کہین کنگنا بندھا ہوا اردو زبان کو میسر نہ آتا اور میر انیس نہ کہہ سکتے کہ ؎

کیا جانے ہوگا قبر مین کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتون مین آپ کا

حضرت شہر بانو کی آزاد کردہ کنیز شیرین کا قصہ نہایت مشتبہ ہے۔ لیکن نظم اردو کو اسی روایت کے طفیل مین یہ شعر نصیب ہوا کہ ؎

جام شربت کے بھرے ابن حسنؑ کی خاطر
گہنا پھولون کا رکھا لا کے دُلھن کی خاطر

حضرت سکینہ کا زندانِ شام مین وفات پانا یقینًا غلط ہے لیکن مرزا دبیر کا مشہور مرثیہ ۔ ع
جب قبرِ سکینہ پہ حرم آئے سوم کو ۔ اسی حکایت کی بنا پر سوز و گداز کی تصویر بنا ۔ مؤرخ کی نگاہ
مین شہنشاہانِ سخن کی یہ کمزوری کتنی ہی معیوب ہو لیکن نظم اردو جواہرات کی ان قیمتی لڑیون پر
ہمیشہ ناز کرتی رہیگی اور شاعری کی سرکار سے مرثیہ گویانِ لکھنؤ اس قصور پر ہدفِ اعتراضات
کبھی نہ بنائے جائین گے کہ اُنھون نے ضعیف اور موضوع روایات کو نظم کیا ۔ اگر ایک امرِ محال
کو شاعر نے ممکن فرض کر لیا اور اُس خود ساختہ عالم مین اپنی سحر طرازی کا جلوہ دکھایا تو نقادانِ
سخن کو اس اعتراض کا کوئی منصب نہین کہ جدید عالم امکان کیون بنایا گیا البتہ اگر اُس نو ایجاد
دایرہ مین شاعر کا کوئی بیان مقتضائے حال کے خلاف ہو تو اُس کی قادرالکلامی پر اعتراض
کیا جائے گا ۔ مرثیہ گویون نے غلط روایتین نظم کین ۔ لکھنؤ کے شادی و غمی کے رسوم عرب
پر منطبق کیے ۔ جوہی اور بیلے کے پھول عراق کے جنگل مین بچھا دیے ۔ یہان تک تو مضائقہ
نہ تھا لیکن غضب یہ کیا کہ اہل مجلس کو رُلانے کے شوق مین بعض موقعون پر حضرت امام اور
اُن کے اہل حرم کے اصلی کیریکٹر پر بھی پردہ ڈال دیا ۔ اُن کی زبان سے ایسے الفاظ ادا کرائے
جن سے بے صبری اور شکوے شکایت کی بو آتی ہے ۔ وہ سب کے سب میدان رضا و تسلیم
کے شہسوار تھے اور اہل محبت کے قول کے مطابق کربلا کا معرکہ عشاق کے صبر و تحمل کا امتحان تھا ۔
جب عاشق امتحان صبر و وفا مین کامل نکلا تو معشوق خود عاشق بن گیا اور آج دنیا مین
اس داستان عشق و محبت کی وہ شہرت ہے جو کائنات عالم کے کسی ہنگامے کو خواب مین
بھی نصیب نہین ہوئی ۔ گریہ و زاری تو بڑی چیز ہے اگر حضرت کے دل مبارک پر میل بھی آتا
تو دنیا کا تختہ اُلٹ جاتا ۔ دشمنون کی کیا مجال تھی کہ وہ آپ کو قتل کر سکتے یا اہل حرم کو تاراج
کرنے کی جرات کرتے ۔ افسوس ہے کہ اُس برگزیدۂ عالم کی زبان سے بعض مرثیہ گویون نے
ایسے اضطراب اور بے صبری کے کلمات کہلائے جو اُن کے غلامانِ غلام پر بھی زیب نہین
دیتے ۔ میر انیس نے جناب امام علیہ السلام کے صبر و رضا اور شوق شہادت کا بیان

نہایت ہی مؤثر اور بلند الفاظ مین کیا تاہم اس رسمِ دیرینہ کو وہ قطعاً ترک نہ کرسکے اور اُن کے کلیات مین بھی بعض جگہ ایسے خلافِ شان کلمات پائے جاتے ہین جو نہ ہوتے تو بہتر تھا۔

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ کربلا کی لڑائی "رزمیہ نظم" کے لیے مناسب مضمون تھی یا نہین مرثیہ گویون نے معرکۂ جنگ اس زور شور سے بیان کیا کہ الفاظ سے دل پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ لڑائی کے تمام ساز و سامان آلات و اسلحہ تفصیل سے لکھے۔ حریفون کے داؤن پیچ بھی خوب دکھائے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ دنیا کی کوئی مشہور رزمیہ نظم ایسی نہین ہے جسمین شاعر کے ہیرو کو شکست ہوئی ہو۔ یونان کی قدیم ایپک الیڈ شاعر کے ہم قومون کی فتح کی داستان ہے۔ آڈیسی اُس کے ایک ہم وطن کی بحری کامیابیون کا ترانہ ہے۔ رامائن راجہ رامچندر کی فتحمندی کا نغمہ ہے۔ مہابھارت سری کرشن جی کی امداد سے اُن کے دوستون کی کامیابی کا راگ ہے۔ سکندر نامہ مین نظامی کا ہیرو ہر معرکہ مین سرخرو ہوتا ہے۔ شاہنامہ مین رستم ہر ایک مہم کو سر کرتا ہے۔ حملۂ حیدری مین حضرت اسد اللہ الغالب کے فتوحات کی روایت ہے اور انگلستان کی مشہور نظم پیریڈائز لاسٹ مین اگرچہ بیان رزم بہت مختصر ہے مگر جس قدر ہے اُس کا انجام حق کی ظفر ہے۔

کربلا کی لڑائی نہ تو مہابھارت کے سے وسیع پیمانہ پر تھی اور نہ اس سے دنیا کی تاریخ مین جنگ سکندر و دارا کی طرح فوراً کوئی انقلاب پیدا ہوا۔ بلکہ ظاہرا باطل نے حق پر غلبہ پایا اور ایک مدت کے لیے حق پرستون کی طاقت بالکل زائل ہوگئی۔ اس دردناک انجام پر غم کرنا آنسو بہانا تو واجب ہے اور مرثیہ گوئی کے لیے یہ بہترین مضمون ہے لیکن حرمان و حسرت کے علاوہ اور بھی بہت سے انسانی جذبات کی تصویر رزمیہ نظمون مین کھینچی جاتی ہے جو مرثیون مین کسی طرح شامل نہین ہوسکتی۔ زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ اردو شاعری مین ایپک پوئم کا موجود نہ ہونا اپنے ملکی زبان کے چہرہ پر ایک نہایت بدنما داغ تصور کرتے اور کلیات دبیر و انیس سے اشعار انتخاب کرکے ایک مسلسل رزمیہ نظم تیار کرنا چاہتے ہین۔ بے شک مرثیہ گویان لکھنؤ کے

کلام سے سیکڑون شعر ایسے تلاش کیے جا سکتے ہین جن کا جواب فردوسی اور نظامی کے کلیات مین نہ مل سکے۔ تاجداران کشور سخن کے لیے ایک مسلسل نظم بھی لکھدینا چندان دشوار نہ تھا مگر وہ غالبًا بیسوین صدی کے روشن خیالون سے زیادہ دور اندیش تھے اور اُنھون نے پہلے ہی دریافت کر لیا تھا کہ واقعۂ کربلا کا بیان رزمیہ نظم کا موضوع بنانے کے لیے مناسب نہین اس لیے اپنا جوہر کمال دکھانے کے لیے اُنھون نے رزمیہ شاعری کے تمام شرائط جمع کر دیے لیکن شاہنامہ و سکندرنامہ کا جواب نہین لکھا۔ اور مسلسل نظم تیار نہین کی۔

غرض مرثیہ کا مقصود نہ تاریخ نویسی ہے اور نہ بیان رزم۔ وہ صرف درد و غم کے جذبہ کو حرکت دینے کا آلہ ہے اور اس حیثیت سے میر انیس اور اُن کے ہم عصرون نے جو کچھ کہا خوب کہا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گلشن مین صبا کو جستجو تیری ہے — بلبل کی زبان پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ مین جلوہ ہے تری قدرت کا — جس پھول کو سونگھتا ہون بو تیری ہے

نام و نسب | انیس تخلص۔ ببر علی نام۔ خاندان سیادت سندی تھا اور شاعری گھرانے مین میراث چلی آتی تھی۔ ان کے اجداد مین سے میر امامی موسوی شاہجہان کے عہد مین ہرات سے دلّی آئے۔ فاضل متبحر اور فقیہ بے مثل تھے۔ شعر وسخن سے بھی ذوق رکھتے تھے۔ جوہر شناس بادشاہ کی شرفا پروری سے سہ ہزاری منصب پایا اور اسی ملک مین آباد ہو گئے۔

چار پشتون تک یہ خاندان دلّی مین معزز و ممتاز رہا۔ جب سلطنت مغلیہ کا آفتاب اقبال لب بام آیا شرفا نوازی اور قدر سخن کا کال ہوا۔ میر امامی کے پرپوتے غلام حسین ضاحک[1]

---

[1] غلام حسین ضاحک بن عزیز اللہ بن برات اللہ بن میر امامی ہروی۔ مولوی محمد حسین آزاد نے میر ضاحک کو میر تقی و مرزا رفیع سودا کی صف مین جگہ دی ہے لیکن اپنے تذکرہ آب حیات مین صرف ایک ہی شعر ان کا درج کیا ہے۔

کیا دیجیے اصلاح خدائی کو دگرنہ — کافی تھا ترا حُسن اگر ماہ نہ ہوتا

انکے باکمال صاحبزادے میر حسن تحریر فرماتے ہین کہ "قبلہ گاہی سلمہ اللہ تعالے باین ہمہ قدرت علم چون طبائع سامعان را در خور سخن بلند نیافتند بقدر حوصلہ آنہا بطرف ہزل توسن قلم راندند بحکم آنکہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز"۔ لیکن زبان عجیب و غریب طرح کردہ اند کہ از آدم تا این دم کسی نہ گفتہ چنانچہ یک مطلع ترقیم می نماید۔

یا الہیا الٰہ آنکہ کر و بیان جھلانکہ — کل تو بچی پر ایسے قرد بکا سرہ"

تاریخ وفات معلوم نہین لیکن صاحب تذکرہ گلزار ابراہیمی ۱۱۹۶؁ھ مین کہتے ہین کہ میر ضاحک فیض آباد مین ہین اور دار شگی سے گذران کرتے ہین۔ یہ مسلم ہے کہ میر ضاحک کا انتقال میر حسن سے پہلے ہو چکا تھا۔ آب حیات مین ہے "میر ضاحک کا انتقال ہوا تو سودا فاتحہ کے لیے گئے اور دیوان اپنا ساتھ لیتے گئے۔ بعد رسم عزاپرسی کے اپنی ایذا گوئی پر جو کہ اس مرحوم کے حق مین کی تھی بہت سے عذر کیے اور نوکر سے دیوان منگوا کر جو ہجوین ان کی کہی تھین سب چاک کر ڈالین۔ میر حسن نے بمقتضاے علو حوصلہ و سعادت مندی اسی وقت دیوان باپ کا گھر سے منگایا اور جو ہجوین اُن کی تھین وہ پھاڑ ڈالین"۔

جو مرزا رفیع سودا کے ہم عصر، نہایت خوش طبع، زندہ دل اور خندہ جبین تھے۔ حوادث روزگار سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور اپنے خلف الرشید میر حسن کو ساتھ لیکر جس کی عمر اُس وقت صرف بارہ سال کی تھی نواب وزیر اودھ کے سایۂ عاطفت میں فیض آباد پہونچے۔ شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کی محل خاص امۃ الزہرا بیگم[۱] نے اُس وقت فیض آباد کو دلّی کا ایک محلہ بنا رکھا تھا۔ ان کی فیاضی اور سیر چشمی ضرب المثل تھی۔ دلّی کا ادنیٰ اور اعلیٰ جو آجاتا اُس کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتی تھیں۔ آوارہ وطن سادات کی خاطر مدارات، تعظیم و تکریم ہوئی اور یہ خانوادہ فضل و کمال فیض آباد میں آباد ہوگیا۔

شجاع الدولہ کی وفات کے بعد نواب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے۔ ان کا فیض آباد میں دل نہیں لگا۔ اپنی ماں "بہو بیگم" کی روک ٹوک سے گھبرا کے شکار کے بہانے فیض آباد سے لکھنؤ آگئے۔ اور یہیں محلسرائیں، باغات اور بازار تیار کرا کے رہ پڑے۔

مرکز حکومت لکھنؤ مقرر ہوا تو تعلقات شاہی کی وجہ سے میر ضاحک اور میر حسن کی آمد و رفت لکھنؤ میں جاری ہوئی اور مثنوی سحر البیان کا فخر روزگار مصنف اسی زمین کا پیوند ہوا۔ استاد وقت مصحفی نے "شاعر شیرین زبان" مادۂ تاریخ وفات نکالا۔

اس ثناخوان کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح ۔۔۔ حبِّ اہلِ علیؑ سے نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے دادا مدّاح ۔۔۔ ختم ذریّت ثناخوانوں میں یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا ۔۔۔ نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

---

[۱] یہ مؤتمن الدولہ نواب محمد اسحاق خان شوستری کی بیٹی تھیں۔ رنگیلے بادشاہ محمد شاہ نے ان کو اپنی بیٹی بنایا تھا۔ اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ جہیز میں شاہانہ ساز و سامان دیا۔ سسرال سے "بہو بیگم" اور "خاص محل" کا خطاب ملا۔ نواب آصف الدولہ انکے اکلوتے بیٹے تھے۔ ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٤) میر حسن نے عشرۂ اول ماہ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں بعہد نواب آصف الدولہ بہادر وفات پائی اور مفتی گنج لکھنؤ میں نواب قاسم علی خان کے باغ کے پیچھے دفن ہوئے۔ لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ میر ضاحک نے سنہ ۱۱۹۵ اور سنہ ۱۲۰۰ھ کے درمیان انتقال فرمایا اور آپ کا مدفن بھی غالباً لکھنؤ ہے۔ ۱۲

میر حسن کے تین بیٹے شاعر تھے جنمین سے میر مستحسن خلیق اور میر محسن محسن امۃ الزہرا بیگم کی سرکار سے تعلق رکھتے تھے۔ اور میر احسن خلق داراب علی خان کی خدمت مین حاضر باش تھے۔ ان سب کا قیام فیض آباد مین رہتا تھا۔ اگرچہ ضروریات زمانہ کبھی کبھی لکھنؤ جانے پر بھی مجبور کرتی تھین۔ خلیق اپنے پدر عالی قدر کے ارشاد کے مطابق ۱۹ سال کی عمر مین شیخ مصحفی کے شاگرد ہوے اور اس "شاعر گر" استاد نے اپنے تذکرہ مین خلیق کی شاگردی کا فخر و مباہات سے ذکر کیا ہے۔ انھون نے کچھ عرصہ تک عاشقانہ غزل گوئی کی مشق کی اور ایک مشاعرہ مین جہان خواجہ آتش بھی تشریف رکھتے تھے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا:۔

رشک آئینہ ہے اس رشک قمر کا پہلو   صاف ادھر سے نظر آتا ہے ادھر کا پہلو

آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا کہ جب ایسا شخص فیض آباد مین موجود ہے تو میری کیا ضرورت ہے۔ وہ صاحب دیوان تھے مگر اسے رواج نہین دیا۔ مرثیہ گوئی شروع کی اور سرمایۂ مضامین جو بزرگون سے ورثہ پہونچا تھا زاد آخرت مین صرف کر دیا۔ ان کی نیک نیتی پھل لائی۔ خدا نے تین باکمال فرزند انیس، مونس، انس عطا کیے جنمین سے خلف اکبر آفتاب بن کر چمکے اور سارے گھر مین اجالا کر دیا ورنہ آج میر حسن کے سوا اس خانوادۂ سیادت مین سے کسی کا نام روشن نہ ہوتا۔

پیدایش اور طفولیت

سنہ ۱۲۱۶ھ مین نواب سعادت علی خان اودھ کی مسند حکومت پر رونق افروز تھے۔ محلہ گلاب باڑی شہر فیض آباد مین انیس کی ولادت ہوئی۔ اس زمانہ مین میر خلیق عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ امرا و اعیان ریاست لکھنؤ مین تھے۔ فیض آباد اجڑ رہا تھا۔ وہ ہر سال مرثیون کا جزدان بغل مین لیکر لکھنؤ جاتے پھر بخارا مین قیام کرتے۔ تین چار سو روپیہ حاصل کرکے لاتے اور پرورش عیال مین صرف کرتے تھے۔ صاحبزادہ کے پیدا ہوتے ہی کاشانۂ سیادت روشن ہو گیا۔ صورت کا عکس باپ

---

[۱] آب حیات دور پنجم۔ میر مستحسن خلیق۔

دیکھکر ببر علی نام رکھا۔ اور شکر الٰہی بجالائے۔ فیض آباد مین ایک ادبی دفتر "محاورات اصطلاحات وضرب الامثال اردو" کی تدوین کا قائم تھا۔ میر حسن مرحوم اُس دفتر کے میر منشی رہے تھے۔ اب یہ خدمت میر خلیق کے سپرد ہوئی۔ جب کوئی جدید محاورہ محلات سے ترش کر نکلتا دفتر مین قلمبند ہوتا۔ جس گھرانے مین اس کی تحقیق و تنقید ہوتی تھی اُسی مین اس مولود مسعود نے آنکھین کھولین۔ خورشید کمال اپنے انتہائی عروج کے وقت بھی اس نعمت خداوندی پر فخر کرتا تھا۔ اور جب اُسکی محاورہ بندی یا روز مرّے پر کوئی معترض ہوتا تو فرماتے کہ "یہ میرے گھر کی زبان ہے حضرات لکھنؤ یون نہین بولتے"۔

تعلیم و تربیت

والد بزرگوار کو دفتر ادب سے تعلق تھا اور ماں بھی اتنی فارسی جانتی تھین کہ جامع عباسی پڑھ لیتی اور پڑھا دیتی تھین۔ اُن کی وضع اُن کا لباس اُن کی رفتار گفتار شرافت کا نمونہ سمجھی جاتی تھی۔ بہو بیگم کے توسل سے جو اخوان ریاست ہنوز فیض آباد مین مقیم تھے وہ اس غیور خاندان سیادت کی عزت اپنے لیے باعث آمرزش سمجھتے تھے۔ نکتہ رس بیگمات اور بذلہ سنج خواتین کی گھر مین آمد و رفت تھی اُنھین کے آغوش ادب مین میر صاحب نے پرورش پائی۔

جب سن شریف چار سال سے متجاوز ہوا شفیق باپ نے مکتب مین بٹھایا درسیات کی ابتدائی کتابین میر نجف علی سے پڑھین جو اُس وقت فیض آباد مین فاضل مستند تھے۔ عربی کی تکمیل لکھنؤ مین علامۂ عصر مولوی حیدر علی سے کی۔ یہ صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ انھون نے کس عمر مین تحصیل سے فراغت حاصل کی۔ اور عربی کی تکمیل لکھنؤ آکر اُسی زمانہ مین کی جب یہ خاندان فیض آباد مین تھا یا درجۂ فضیلت اُس وقت حاصل ہوا جب مستقل طور سے لکھنؤ مین سکونت اختیار کی چونکہ میر خلیق تقریباً ہر سال لکھنؤ آتے تھے اور غازی الدین حیدر کے وقت مین اُن کی کافی شہرت دار السلطنت مین ہو چکی تھی لہذا گمان غالب ہے کہ عالم شباب ہی مین کچھ عرصہ تک لکھنؤ رہکر میر صاحب نے رائج الوقت علوم کی تکمیل کی ہو۔

اہل لکھنؤ نے میر انیس کو طبقۂ علما میں کبھی شمار نہیں کیا لیکن اُن کا علمی تبحّر اور وسعتِ نظر سب کو تسلیم تھی۔ کہتے ہیں ایک روز کوئی صاحب صدرہ کی ایک عبارت پر بحث کر رہے تھے میر صاحب نے اپنے حسنِ بیان سے اُس مسئلہ کو بغیر کتاب دیکھے اس خوبی سے حل کر دیا کہ سب ششدر و دنگ[1] ہو گئے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ میر صاحب کو بہ نسبت منقولات کے معقولات سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اور اُن کے مختصر کتب خانہ میں ہر علم و فن کی ضروری کتابیں جمع رہتی تھیں۔ میر صاحب کا مشہور مطلع ہے :۔

ع۔ جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے۔ ایک صاحب نے غائبانہ اعتراض کیا کہ "مسافتِ شب ماہتاب طے کرتا ہے نہ کہ آفتاب" بات مشہور ہو گئی اور میر صاحب کے کان تک پہونچی۔ آپ نے بر سرِ مجلس علمِ ہیئت کے استدلال سے فاصلۂ شب میں دورۂ شمسی کو ثابت کیا اور نکتہ چینوں کو ساکت کر دیا۔

اسی طرح ایک مرثیہ گھوڑے کی تعریف میں ارشاد ہوا تھا کہ

پامال ہوں پھول جو گلزار پہ دوڑے ۔۔۔ شبنم تر ہوں گر فتادہ خار پہ دوڑے[2]
اس طرح رگِ ابرِ گہربار پہ دوڑے ۔۔۔ جس طرح سے بجلی کی صدا تار پہ دوڑے

کسی نے اعتراض کیا کہ "بجلی کی آواز تار پر نہیں دوڑتی ہے بلکہ حرکت دوڑتی ہے۔" آپ نے علمِ طبیعیات سے ثابت کیا کہ مادّی اشیا میں جب تصادم ہوگا آواز یقینی پیدا ہوگی" اور "وہ فاصلہ جو مادّۂ برقی کے خلا میں واقع ہے آواز سے مملو ہے خواہ وہ آواز مسموع ہو یا نہ ہو۔"

---

[1] حیاتِ انیس صفحہ ۱۰۔

[2] بعض سخنوں نے اعتراض کیا کہ اس بند کی ردیف سے پہلو ذم کا نکلتا ہے اُسکے جواب میں مرزا دبیر کے اس مصرعہ پر ع ۔ میں پہلوان اٹھتے ہیں ہر اخ ... شمر ہیں ہے یہ۔
اور نیز اس مصرعہ پر ع ۔ پامال کر دو لاشوں کو ٹاپوں سے کچل کے۔۔۔
انیسیوں کی طرف سے نکتہ چینی کی گئی۔ اور کہا گیا کہ مرزا دبیر کے اس مصرعہ میں ... نہایت مذموم پہلو ہے۔ لیکن یہ سب جاہلوں کی باتیں ہیں۔ ...

فنونِ سپہگری

اُس وقت تک ہندوستان مین شجاعت و مردانگی کی بو باقی تھی شریف زادے شہسواری۔ سیف زنی اور نیزہ بازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ انھون نے بھی امرا زادگانِ فیض آباد کے ساتھ اس ضروری فن کی مشق کی اور پھر لکھنؤ آکر اپنے پڑوسی میر کاظم علی سفید پوش کے بیٹے میر امیر علی سے جو پٹے۔ بانک۔ بنوٹ کے استاد تھے "علی مد" لکڑی کا ٹھاٹھ اور بانک بنوٹ کی گھائیان سیکھین۔ اور ایسی صفائی اور چابکدستی حاصل کی کہ کبھی کبھی استاد پر بھی چوٹ کر جاتے تھے۔ یہ تعلیم بھی غالبًا اُسی زمانہ مین پائی جب وہ تکمیل عربی کے لیے لکھنؤ مین قیام پذیر تھے اور عنفوان شباب تھا۔ اُن کے استاد میر امیر علی[1] کہا کرتے تھے کہ میر انیس کو اُس عمر اور اُس حالت مین بھی اپنے رکھ رکھاؤ کا اتنا خیال تھا کہ کبھی ننگے بدن مشقِ فن نہین کرتے تھے بلکہ اُس کے مناسب کپڑے تیار کرائے تھے اور بالاخانہ کی چھت پر مشق کرتے تھے۔ جہان میرے اور اُن کے سوا دوسرا نہ ہوتا تھا" یہ بھی قول تھا کہ "اگر میر انیس کے ہاتھ مین ایک گز لٹھے کے رومال مین مد دو ساہی پیسہ بندھا ہوتا تو وہ دس لکڑی پھینکنے والون سے بھی چوٹ نہ کھا سکتے تھے۔ اُن کی ضرب کو بنوٹ جاننے والے کے سوا کوئی روک نہ سکتا تھا" یہ تعلیم آگے چل کر ممبر سخن کے بہت کام آئی۔ میدانِ جنگ کی تصویر کشی مین مبارزون کے فنونِ حرب۔ ایک دوسرے کے داؤن پیچ۔ نیزہ بازی کی گھاتین جو آج ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہین اسی مشق کے سلسلہ مین حاصل ہوئین اسی زمانہ مین ورزش بھی شروع کی تھی پچاس ساٹھ ڈنڑ فرش پر کرتے اور سو دو سو ہاتھ مگدر کے ہلاتے تھے۔ پیرانہ سالی مین ورزش گھٹ گئی تاہم چند ڈنڑ کرنا اور پچاس ساٹھ ہاتھ مگدر کے ہلانا موقوف نہین ہوا۔

شکل و صورت

میر انیس کا رنگ سانولا اور قد مائل بہ درازی تھا۔ سر کے بال باریک ملائم۔ چہرہ خوبصورت کتابی۔ آنکھین بڑی بڑی۔ ڈاڑھی باریک

---

[1] حیات انیس صفحہ ۲۲ و ۲۳۔

کترواتے تھے ایسی کہ لوگوں کو منڈانے کا شبہہ ہوتا۔ گردن صراحی دار۔ سینہ چوڑا۔ چال نہایت نستعلیق۔ آخر مین ضعف پیری نے قوٰے مضمحل کر دیے تھے۔ مگر جب منبر پر پہونچتے تو دور سے ایک خوب صورت نوجوان معلوم ہوتے اور خداداد قوت پیدا ہو جاتی تھی۔ سر پر لکھنؤ کی بیضاوی پیچ گوشیہ ٹوپی۔ بدن پر گھیر دار لانبا کرتا۔ غرارے دار ڈھیلا پائجامہ۔ پاؤن مین زر دمخمل کی جوتی۔ ہاتھ مین پتلی چھڑی اور سفید رومال۔ نوعمری سے پیری تک اسی وضع پر قائم رہے۔ اور لکھنؤ کی آب وہوا سے جو روز جدید فیشن تراشا کرتی تھی بالکل متاثر نہین ہوے۔

شاعری کا آغاز

شاعرون کے گھر مین جنم لیا۔ بچپن ہی سے شعر وسخن کی طرف طبیعت مائل تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی ابیات عاشقانہ گنگنانے اور اُن سے لطف اُٹھانے لگے۔ ہزارون شعر اردو وفارسی کے یاد تھے اور ایک ایک لفظ کی سند مین بیسیون شعر پڑھ دیا کرتے تھے۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات مین محاسن قدرت کا نظارہ بڑی دلچسپی سے کرتے تھے۔ اور اسی لطف اندوزی نے چند سال کے بعد مناظر قدرت کی تصویر اُتارنے مین مانی وبہزاد پر فائق کر دیا۔

نواب سید محمد خان رند[۵۱] جو عمر مین ان سے چار سال بڑے تھے کمسنی سے شعر کہتے اور میر خلیق سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کی عشق انگیز صحبت نے حسن پرستی کی آتش پر ایسا تیل چھڑکا کہ پندرہ سولہ برس کے سن مین دل کا جوش اشعار کی صورت مین ظاہر ہونے لگا سلسلہ تعلیم جاری تھا۔ مشق سخن باپ سے چھپاتے تھے مگر یہ آگ کب تک دبتی؟ ایک موقع[۵۲] پر کہین مشاعرہ مین گئے اور غزل پڑھی۔ وہان بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ خبر سنکر باغ باغ ہوا ہونہار فرزند سے پوچھا کل رات کو کہان گئے تھے۔ انھون نے حال بیان کیا۔ غزل سنی اور

---

[۵۱] ملاحظہ ہو تذکرۂ رند مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ قیمت ۸؎

[۵۲] آب حیات۔ دور پنجم۔ تذکرۂ انیس جو بقیمت ۸؎ انوار المطابع لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

فرمایا کہ اب اس غزل کو سلام کرو اور اُس شغل مین زورِ طبع صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔ سعادتمند بیٹے نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ دنیا کو چھوڑ کر دین کے دائرہ مین آگیا اور تمام عمر اسی رنگ مین صرف کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ مین جو غزلین تصنیف کی تھین اُن کا مجموعہ خاندان مین محفوظ ہے لیکن چشم اغیار سے مخفی رکھا جاتا ہے اشعار ذیل اسی عہد کے کلام کا نمونہ ہین :۔

ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے مے ہے | مگر تو ہی نہین افسوس ہے ہے
لکھکر زمین پہ نام ہمارا مٹا دیا | انکا تو کھیل خاک مین ہمکو ملا دیا

تجویز تخلص

جب عربی کی تکمیل کے لیے لکھنؤ مین قیام ہوا مشق سخن جاری تھی۔ سلام کہتے اور والد ماجد سے اصلاح لیتے۔ بیان مصائب کے لیے تخلص "حزین" مناسب تھا لہذا یہی تخلص اختیار کر رکھا تھا۔ اُس وقت لکھنؤ مین ناسخ و آتش کی محفلین گرم تھین۔ یہ دونون بزرگ میر خلیق کی زباندانی اور سخنوری کا لوہا مانتے ہوے تھے۔ شیخ ناسخ اپنے شاگردون سے کہا کرتے تھے کہ "بھئی زبان سیکھنی ہے تو میر خلیق کے یہان جایا کرو۔" میر خلیق گاہ گاہ شیخ ناسخ سے ملنے جاتے تھے۔ ایک روز اپنے اقبال مند صاحبزادے کو بھی ساتھ لیگئے۔ صحبت شعر و شاعری گرم تھی۔ شیخ صاحب نے میر انیس سے مخاطب ہو کر فرمایا "میان صاحبزادے کچھ اپنا کلام پڑھو" میر صاحب نے والد کی اجازت سے یہ مطلع پڑھا :۔

کھلا باعث یہ اُس بیدرد کے آنسو نکلنے کا | دھوان لگتا ہے آنکھون مین کسی کے دل کے جلنے کا

شیخ صاحب جھومنے لگے۔ میر خلیق سے فرمایا۔ فرزند ہونہار ہے۔ لیکن بجائے حزین کے تخلص کچھ اور ہو تو بہتر ہے۔ میر خلیق نے کہا۔ آپ ہی کوئی تخلص تجویز فرمائین۔ شیخ صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کر کے فرمایا کہ مجھکو تو "انیس" پیارا معلوم ہوتا ہے۔" حزین نے بکمال ادب سلام کیا

اور اُسی وقت سے انیس ہو گئے۔

اصلاح غلط فہمی

میر مہدی حسن مولف واقعات انیس نے تحریر فرمایا ہے کہ "لکھنؤ کے اکثر کہن سال بزرگوں سے دریافت ہوا کہ زمانۂ امجد علی شاہ میں میر انیس کا مستقل قیام لکھنؤ میں ہوا" اور اسی بنا پر بعض محققین کو شبہ ہوا کہ عہد امجد علی شاہ سے پیشتر میر صاحب لکھنؤ نہیں تشریف لائے اور ان کی شاعری کا آغاز اسی تاجدار کے عہد سے ہے۔ اس خیال کی تکذیب متذکرہ بالا واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے۔ شیخ ناسخ نے ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی اور امجد علی شاہ ۱۲۵۹ھ میں تخت نشین ہوئے۔ عہد امجد علی شاہ میں ناسخ زندہ ہی نہ تھے تخلص کیونکر تجویز کرتے۔ علاوہ اس کے امجد علی شاہ کے آغاز سلطنت کے وقت میر صاحب کی عمر ۴۲ برس کی تھی۔ اگر اسی سن و سال میں وہ پہلی بار لکھنؤ تشریف لائے ہوتے تو میاں امیر علی جنھوں نے میر صاحب کو فنون سپہگری کی تعلیم دی تھی یہ کیونکر کہتے کہ "نوعمری میں بھی میر انیس کو خودداری کا لحاظ تھا" بے شک عہد امجد علی شاہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس متشرع سلطان کے زمانہ میں اس خاندان سیادت نے فیض آباد سے قطع تعلق کرکے مستقلاً سکونت لکھنؤ کی اختیار کی لیکن لکھنؤ کی آمد و رفت عرصے سے جاری تھی۔ نصیر الدین حیدر کے عہد میں بھی میر انیس مرثیہ کہتے تھے اگرچہ مجلسوں میں پڑھتے نہ تھے اور اسی وجہ سے شہر میں کافی شہرت نہ تھی۔

(حاشیہ صفحہ ۱۰ سلسلہ تخلص کے متعلق حیات میر انیس) میں ایک لطیفہ درج ہے جو ناظرین کی تفریح طبع کے لیے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ "مفتی میر عباس کے روبرو ایک صاحب آئے اور کہا کہ [illegible] ہر شخص اپنے ممدوح کے کلام کو بڑھا کر اس کی خوبیاں بیان کرکے دوسرے پر ترجیح دیتا رہا [illegible] اور باتیں تو درکنار ایک تخلص ہی کو دیکھیے کس قدر عظمت اور برکت نمایاں ہے اس کے وزن پر کس کثرت سے تخلص ہیں [illegible] منیر، [illegible] قدیر، ظہیر، فقیر، امیر، وزیر، [illegible] نصیر، صغیر، سفیر، حقیر، [illegible] کبیر وغیرہ - وہاں کیا ہے [illegible] انیس، سلیس [illegible] آگے پڑھیے دبیر" مفتی صاحب نے فرمایا تخلص تو ادھر بھی بہت ہو سکتے ہیں۔ پوچھا کیا - فرمایا - انیس ۱۹ بیس ۲۰ اکیس ۲۱ بائیس ۲۲ تئیس ۲۳ چوبیس ۲۴ ... انتالیس ۳۹ تک۔ حاضرین یہ لطیفہ سن کر بے اختیار ہنس پڑے اور فضول جھگڑے کا خاتمہ ہو گیا" معترض صاحب میر انیس کے صاحبزادے [illegible] کو بھول گئے [illegible] اکیلا ہی ہوتا ہے "حسین" سے زیادہ کس کے نام میں عظمت و برکت ہو سکتی ہے [illegible] ارشاد فرمایا ہے کہ حسین کے ہم وزن اور ہم قافیہ کتنے نام ہیں؟

ابتدائی مرثیے میر انیس کے ابتدائی مرثیے مختصر ہوتے تھے اور اُن کا مقصود محبانِ حسینؑ کو رُلانا تھا۔ اُس زمانے کے مرثیے بیشتر "اے مومنو" سے شروع ہوتے تھے اور اُن مین رزم کا بیان بہت کم ہوتا تھا۔

سنہ ۱۲۴۹ھ سے سرآمد مرثیہ گویان لکھنؤ میر مظفر حسین ضمیرؔ نے مرثیہ گوئی کا جدید دور شروع کیا اور مرزا سلامت علی دبیرؔ[1] نے رزم و سراپا مین وہ بلند پروازی کی کہ قدیم روش نظرون سے گر گئی اور سخن فہم طرز جدید کے مرثیے تلاش کرنے لگے۔

میر خلیق۔ ضمیر اور دبیر کی تقلید اپنے لیے باعث تحقیر سمجھکر میدان رزم مین مقابل نہین آئے مگر بلند اقبال فرزند جس کو قسّام ازل نے اسی صنف سخن کی تکمیل کے لیے خلق فرمایا تھا یہ عجز کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔ اُس نے ابھی تک لکھنؤ مین مجلسین نہین پڑھی تھین لیکن خزانۂ کلام فراہم کر رہا تھا اور وہ وقت قریب تھا کہ سارے شہر کو اپنی خوشنوائی کا اسیر بنا لے۔

اُس نے جو عزیمت کی وہ اُسی کی زبان سے سننا چاہیے۔

مبتدی ہون مجھے توقیر عطا کر یارب — شوق مدّاحیِ شبیرؑ عطا کر یارب
سلک گوہر ہو وہ تقریر عطا کر یارب — نظم مین رونے کی تاثیر عطا کر یارب
جدّ و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہو گنجلک نہو تعقید نہ ہو

قلم فکر سے کھینچون جو کسی بزم کا رنگ — شمع تصویر پہ گرنے لگین آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ — خون برستا نظر آئے جو دکھاؤن صف جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائین ابھی
بجلیان تیغون کی آنکھون مین چمک جائین ابھی

---

[1] مرزا دبیر ۱۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۱۸ھ کو بمقام دہلی محلہ بلّیماران پیدا ہوے۔ چودہ پندرہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اور ۲۶ صفر سنہ ۱۲۹۲ھ کو لکھنؤ مین وفات پائی۔ محلہ نخاس جدید اپنے مکان مین دفن ہوے۔ اب یہ گلی کوچۂ دبیر کہلاتی ہے۔ ۱۲
تاریخ وفات حضرت دانشؔ نے اس مصرعہ مین نکالی۔ "دبیر از جہان در جنان رفتہ ا" ۱۲۹۲ھ ۔ ۱۲

روزمرہ شرفا کا ہو سلاست ہووے	لب ولہجہ وہی سارا ہو متانت ہووے
سامعین جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہووے	یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہووے

لفظ بھی چست ہوں مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

بزم کا رنگ جدا رزم کا میدان ہے جدا	یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستان ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامہ کا عنوان ہے جدا	مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا سامان ہے جدا

دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

پہلی مجلس

جب لعل وگہر کا خزینہ کافی جمع ہو گیا۔ کئی رباعیاں متقدد سلام۔ اور طرز جدید کے چند مرثیے مرتب ہو گئے۔ شفیق باپ نے ہونہار صاحبزادہ سے تحت لفظ پڑھنے کی مشق بھی کرائی تو مناسب خیال کیا کہ ان سے مجلس میں مرثیہ خوانی کرائی جائے تاکہ میر خلیق کا پلہ جو ضمیر اور دبیر کی بلند پروازی سے کم وزن ہوتا جاتا تھا نقطۂ اعتدال پر آجائے۔

ایک روز اکرام اللہ خاں کے امام باڑے واقع محلہ نخاس میں مجلس تھی۔ میر ضمیر بھی تشریف رکھتے تھے۔ مجلس شروع ہونے سے پہلے میر خلیق نے میر ضمیر سے کہا میں چاہتا ہوں آج آپ کے بھتیجے سے بھی کچھ پڑھواؤں۔ میر ضمیر نے فرمایا بسم اللہ۔ میر انیس اپنے والد کے حکم سے منبر پر گئے۔ میر خلیق منبر کے دوسرے زینے پر بیٹھتے تھے یہ اس سے ایک درجہ بلند تیسرے زینے پر بیٹھے اور اس وقار سے بیٹھے کہ تمام حاضرین مجلس کی نگاہوں میں خوب صورت ٹھاٹھ جم گیا۔ پہلے کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر ایک رباعی پڑھی چاروں طرف سے واہ واہ سبحان اللہ کا شور بلند ہو گیا۔

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا	ظلِ علم صاحب معراج ملا

منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا عَلَم　　اب چاہیے کیا۔ تخت ملا تاج ملا

میر انیس نے پہلے ایک سلام پڑھ کے ساری مجلس کو گرویدہ کر لیا پھر مرثیہ شروع کیا تو رزم و بزم کی بولتی چالتی تصویرین اس خوبی اور خوش ادائی سے دکھائین کہ ہر دل بسمل ہو گیا اعجاز کلام اور انداز بیان نے مجلس کو بیتاب کر دیا۔ سخن شناس جوش شجاعت کے بند سن کر جھومنے لگے۔ زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست۔ جب مرثیہ ختم ہوا سیکڑون قدر شناس اپنی اپنی جگہ سے اُٹھکر میر انیس سے مصافحہ کرنے ہاتھ چومنے سامنے آئے تعریف کا سلسلہ دیر تک قائم رہا اور اسی مجلس نے ہمیشہ کے لیے انیس کی فصاحت و شیرین کلامی کا سکہ شہر مین بٹھا دیا۔

لکھنؤ مین مستقل قیام جب میر انیس کی شہرت روز بروز بڑھنے لگی بڑے بڑے نواب و امرا اُن کے زیب مجلس ہونے پر فخر کرنے لگے تو امجد علی شاہ کے عہد مین اُنھون نے فیض آباد سے قطع تعلق کر کے لکھنؤ مین مستقل سکونت اختیار کی۔ اُس وقت میر صاحب کی عمر ۴۲ برس سے زیادہ تھی۔ بڑے صاحبزادے میر خورشید علی نفیس اور دو صاحبزادیان پیدا ہو چکی تھین۔ لکھنؤ مین میر صاحب کا قدیم مکان محلۂ سبزی منڈی یا شیدیون کے احاطہ مین تھا۔ یہ محلہ آصف الدولہ کے امام باڑہ کے قریب واقع تھا۔ اور اس مین شرفا و امرائے شہر کے مکانات تھے سلطنت اودھ کا تختہ اُلٹ جانے کے بعد مکانات کھدنا شروع ہوے تو اس محلہ کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ مکان مختصر تھا اور میر صاحب کی عظمت و شان سے بہت پست مگر تاجدار سخن ملک قناعت کا بادشاہ حرص و ہوس سے متنفر تھا۔ فرماتے ہین :-

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے　　فقیر ہون یہ نہین عادتِ سوال مجھے

میر صاحب کے معتقد خاص نواب دیانت الدولہ بہادر نے اسی محلہ مین ایک امام باڑہ اور ایک محل تیار کرائی۔ عاشور خانہ مین پہلی مجلس میر صاحب سے پڑھوائی اور محل نذر کیا۔ غدر کے پر آشوب ہنگامہ تک یہ خاندان اسی محل مین سکونت گزین رہا۔

اندازِ مرثیہ خوانی

میر صاحب جس طرح مرثیہ گوئی مین کامل تھے ویسے ہی اُن کا اندازِ مرثیہ خوانی بھی بے نظیر تھا۔ کلام پر تبصرہ آیندہ اوراق مین کیا جائیگا مگر اُنکے طرز مرثیہ خوانی کی بابت اسی مقام پر چند سطرین لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے

مولانا محمد حسین آزاد آبِ حیات مین تحریر فرماتے ہین "میر انیس مرحوم کو مین نے پڑھتے ہوے دیکھا کہین اتفاقاً ہی ہاتھ اُٹھ جاتا یا گردن کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کرجاتی ورنہ کلام ہی سارے مطالب کے حق پورے پورے ادا کر دیتا تھا"

جناب اشہری حیاتِ انیس مین لکھتے ہین کہ "مین نے میر انیس کو پڑھتے ہوے سنا ہے وہ فقط ابرو کے اشارہ اور گردن کی حرکت سے کام لیتے تھے" لیکن مؤلف واقعاتِ انیس ان روایات سے ناراض ہوتے اور فرماتے ہین کہ "میر انیس کا پڑھنا ہنگامہ آرا تھا وہ جس مقام کو پڑھتے تمام قوتون سے کام لیتے چنانچہ اُن کا ایک مصرعہ سات سال کی عمر مین سنا ہوا میرے حافظہ مین اِس وقت تک محفوظ ہے اور اُس کے موشنس کی تصویر اب تک پیش نظر ہے۔ مصرع

دانتون مین شجاعانِ عرب داڑھیان دابے

مرثیہ کو زانو پر رکھکر دونون ہاتھون کو داڑھی کے قریب لاکر اس طرح گردش دی اور ہونٹون مین فرضی داڑھی کو دبایا یہ معلوم ہوا کہ عرب کے شجاع سپاہیون کی حالت جنگ مین جوش شجاعت کی تصویر کھینچ دی" ہفت سالہ بچہ کی شہادت معتبر نہین! خصوصاً جبکہ سن رسیدہ اور ثقہ راوی اُس کی تکذیب کرتے ہون!! میر خورشید علی نفیس کے پڑھنے کا وہی انداز تھا جو آسن نے لکھا ہے۔ لیکن محققین کہتے ہین میر انیس صرف گردش چشم وابرو سے وہ ہنگامہ برپا کردیتے تھے جس کے لیے اُن کے صاحبزادہ کو تمام اعضاے جسمانی سے کام لینا پڑا۔ شیخ حسن رضا مولف "تردید موازنہ" لکھتے ہین کہ افراط تفریط کا نام نہین نشست سے بالاے منبر قدرت خدا کے جلوہ کی تصویر کھینچ دیتے۔ بنوٹ و تصنع کی ہوا تک نہ آنے پاتی تھی تیور اور اشارات

مہذبانہ جیسے اُن بزرگ سے ادا ہوئے آج تک کسی غیر سے تو کیا اُن کے خاندان مین کسی سے حتی کہ اُن کی اولاد سے بھی وہ شان اور وہ بات دیکھنے مین نہین آئی" یہ بھی مشہور ہے کہ میر انیس جب کوئی مقام رقت انگیز پڑھتے اور جوش گریہ سے بے چین ہو جاتے تو ضبط کی غرض سے نیچے کے ہونٹ کو دانتون مین دبا لیتے جس سے دہنی جانب کا رخسارہ متحرک ہوتا تھا اُن کا تو اِس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوش گریہ سے آواز گلو گیر نہو مگر قدرتاً یہ لفریب ادا ہر دل کو بیتاب کر دیتی تھی۔

مؤلف حیات رشید لکھتے ہین کہ میر انیس کے نواسے جناب پیارے صاحب رشید اکثر فرماتے تھے کہ "انیس کا پڑھنا بہت مہذب تھا۔ وہ صرف آواز کے اُتار چڑھاؤ اور اشارات سے کام لیتے۔ آجکل کے پڑھنے والے تو منبر کی چولین ہلا دیتے ہین"

کہتے ہین جب کوئی شخص میر انیس سے انداز مرثیہ خوانی سیکھنے کی درخواست کرتا وہ اس سوال سے منغض ہو جاتے اور فرماتے تھے کہ "یہ کیا سیکھے گا اور مین کیا سکھاؤنگا بھائی یہ کچھ سیکھنے کا فن ہے وقت پر جو کچھ ہو جاتا ہے ہم خود نہین سمجھتے کہ ہم نے کیا کیا"

شہر کے ایک رئیس زادے میر صاحب کے شاگرد مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ ایک روز میر انیس نے ایک مصرعہ کو تین بار بتلایا مگر نواب زادہ سے وہ انداز ادا نہ ہو سکا۔ میر صاحب نے مرثیہ ہاتھ سے چھین لیا اور فرمایا ایسے بے مغزون کو مرثیہ پڑھنا نہین آسکتا۔ بیکار اپنا وقت خراب کرتے ہین اور میرا دماغ پریشان ہوتا ہے۔ مصرعہ یہ تھا ع

کھینچے جو کمان دے نہ امان پیل دمان کو

وہ اصول خواندگی کے ساتھ صفت شاعری کے اظہار کے لیے اُن تینون لفظون پر زور دیتے جن پر نشان کیا گیا ہے لیکن نواب کو بسبب عدم مذاق شاعری مصرعہ کی صنعت کا لحاظ نہین رہتا تھا۔ میر صاحب جب اس مصرعہ کو پڑھتے تو کمان امان دمان پر زور دینے کے بعد ایک قلیل وقفہ دیتے تھے اور یہی توقف اس مصرعہ کی جان تھا۔!!

مرزا دبیر کا انداز مرثیہ خوانی

ان کے حریف مقابل مرزا سلامت علی دبیر کی مرثیہ خوانی کا بھی یہی انداز تھا۔ تقاضائے فطرت سے کہین خود بخود ہاتھ اُٹھ جاتا تو اُٹھ جاتا ورنہ منبر پر بیٹھکر "موشننس" دکھانا گناہ سمجھتے تھے چشم وابرو کا اشارہ بھی اُسی قدر ہوتا جتنا باتون مین ہو جاتا ہے۔ خود فرماتے ہین :۔

ناحق کا نہ چیخنا نہ چلّانا ہے　　بیکار نہ ہر بند پہ بتلانا ہے
ابن شہ مردان کا ثناخوان ہون مین　　صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے

جب میر انیس نے مجالس مین مرثیہ خوانی شروع کی اُس وقت دبیر کے انداز پر لکھنؤ فدا تھا۔ میر صاحب خود فرماتے تھے کہ "جب[1] ہم نے لکھنؤ مین مرثیہ پڑھنا شروع کیا اُس وقت دو صاحب اِس فن کے لکھنؤ مین نامی وگرامی تھے۔ ایک تو میر مداری صاحب جو یار مین رہتے تھے دوسرے مرزا سلامت علی دبیر"

میر مداری کا تو اب کوئی نام بھی نہین جانتا غالباً ان کا تخلص شہرت تھا۔ وہ میر ضمیر کے شاگرد تھے اور اس فن مین خوب مشق بہم پہونچائی تھی۔ آج زمانہ نے گمنام کر دیا اس لیے نہین کہا جاسکتا کہ وہ مرثیہ خوانی مین "نیرت" سے کام لیتے تھے یا نہین مگر مرزا دبیر یقیناً اس حرکت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

جب میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی مقبول ہوا شفیق باپ نے مجلسون مین پڑھنا چھوڑ دیا اُدھر میر ضمیر نے بھی ضعف پیری سے مرثیہ خوانی چھوڑ دی اور لکھنؤ مین انیس و دبیر کا نام گونجنے لگا۔

میر خلیق نے مرثیہ خوانی چھوڑی

میر خلیق نے مرثیہ خوانی چھوڑی لیکن قدرتی شاعر کی زبان کیونکر بند ہوسکتی تھی۔ ایک مرتبہ میر انیس یہ روایت

---

[1] واقعات انیس صفحہ ۲۷۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میر صاحب نے اس موقع پر صرف "مرثیہ خوانی" کی طرف اشارہ کیا ہے نہ کہ "مرثیہ گوئی" کی طرف کیونکہ اُس وقت میر ضمیر اور میر خلیق دونون اساتذۂ فن موجود اور سرتاج مرثیہ گویان تھے ان کے سامنے مرزا دبیر یا میر مداری کی ہرگز شہرت نہین ہوسکتی تھی۔

نظم کر رہے تھے کہ جناب امام حسینؑ عالم طفولیت میں سواری کے لیے ضد کرتے ہیں آنحضرتؐ تشریف لائے اور فرطِ شفقت سے خود جھک گئے کہ آؤ سوار ہو جاؤ تاکہ پیارے نواسے کا دل آزردہ نہ ہو۔ اس موقع پر ٹیپ کا دوسرا مصرعہ کہ لیا تھا ع اچھا سوار ہو جیسے ہم اونٹ بنتے ہیں۔ پہلا مصرعہ برجستہ نہ ہوتا تھا۔ ان کو غور میں دیکھکر میر خلیق نے پوچھا کیا سوچ رہے ہو۔ میر صاحب نے مضمون بیان کیا تو بولے کہ یہ مصرعہ لگا دو۔ "جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں" سارا بند سنیے تو مصرعہ کا لطف معلوم ہو:۔

پیدل تو عید گاہ میں جانا ہے ننگ و عار ہمکو بھی آج اونٹ منگا دو تو ہوں سوار
کہنے لگے حسینؑ سے محبوبِ کردگار معلوم اب ہوا یہی غصہ تھا میں نثار
جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں
اچھا سوار ہو جیسے ہم اونٹ بنتے ہیں

افسوس ہے اُن کا کلام آج تک شائع نہیں ہوا اور متعدد مرثیے جو میر نواب صاحب نامی نے ۱۲۹۶ھ میں دکن سے شائع کیے اُن میں بیشتر وہ ہیں جو میر انیس کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ لکھنؤ میں بعض علم دوست حضرات کے پاس موجود ہے مگر معلوم نہیں کس مصلحت سے اُس کی اشاعت نہیں کرتے۔

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ ذیل کا مطلع و مقطع میر خلیق کے سالِ اخیر کی تصنیف ہے۔

جبرائی طبع کند ہے لطفِ بیان گیا
دندان گئے کہ جوہرِ تیغِ زبان گیا
گذری بہارِ عمر خلیق اب کہیں گے سب
باغِ جہان سے بلبلِ ہندوستان گیا

سعادتمند فرزند نے باپ کا نام روشن کیا اور اُن کی زبان پر ہمیشہ ناز کرتا رہا۔

حق ہے سنا نہیں کبھی اس حسن کا بیاں گویا کہ یہ خلیق کی ہے سر بسر زباں

اور اُن کے انتقال کے بعد نہایت درد سے کہا۔

ہم مر گئے خلیق کے مرنے سے لے انیس — جینے کا لطف اُٹھ گیا اُس باخدا کے ساتھ
افسوس ہے خلیق سا مشفق پدر نہین — اس رنج سے کسیکو کسی کی خبر نہین

اُسی زمانہ مین ایک نہایت زور کا مرثیہ لکھا تھا جسکا مطلع ہے۔

آمد ہے کربلا کے نیستان مین شیر کی

اُسکے مقطع مین فرماتے ہین۔

بس اے انیس بس کہ دعا کا ہے یہ مقام — ہو مغفرت خلیق کی یا خالق الانام
مداح آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام — یارب اُسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

انیس و دبیر میر خلیق اور میر ضمیر نے مرثیہ خوانی چھوڑی انیس و دبیر کے لیے میدان خالی ہوگیا۔ شہر کے خوش مذاق لوگون نے دونون کو حریف مقابل بنایا۔ نقادانِ سخن کے جتھے علیحدہ علیحدہ بٹے ہوئے تھے۔ انیسی امت اپنے سخن آفرین کی صفائی کلام حسن بیان اور لطف محاورہ پر جان دیتی۔ اور دبیری امت شوکتِ الفاظ بلند پروازی اور تازگی مضامین پر مٹی ہوئی تھی۔ عالم ہمہ افسانۂ ما دارد وما ہیچ مقلدین باہم لڑتے تھے مگر میر انیس اور مرزا دبیر ایک دوسرے کو نہایت عزت و وقعت کی نظر سے دیکھا کیے۔

نہ میر انیس اپنی صحبت مین دبیر کی بدگوئی سننے کے روادار اور نہ مرزا دبیر اپنے حلقۂ احباب مین کسی کو انیس پر بیجا اعتراض کرنے دیتے۔ کلام پر نکتہ چینی جوہر کمال پر صیقل تھی اور یہ دونو استادون کے یہان ایک دوسرے پر ہوتی رہتی تھی اور کبھی کبھی سخن گسترانہ چوٹین ہو جاتی تھین

لہ لطیفہ۔ ایک صاحب میر محب علی سلیس خیال کرتے تھے کہ وہ میر انیس کے مدمقابل ہین۔ میر انیس نے

مگر دل صاف تھے اور ایک کو دوسرے سے کچھ بغض نہین تھا۔ میر خورشید علی نفیس[1] فرماتے تھے اُن کے والد کے سامنے کوئی شخص صراحۃً یا کنایۃً مرزا دبیر کی تنقیص نہین کرسکتا تھا او اسی طرح مرزا دبیر کے یہان کسی کی مجال نہ تھی کہ میر صاحب پر بیجا حملہ کرے۔ دونون ایک دوسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ "ایسا صاحب کمال شاید پھر پیدا نہ ہو"۔

سید آغا حسن ازل لکھنوی نے مرثیون پر اصلاح دونون بزرگون سے لی اور کمال یہ کیا کہ ہر ایک سے اجازت لیکر دوسرے کو مرثیے دکھائے اور ان نیک نفس پاک طینت حضرات نے بخوشی اجازت دی۔

ایک سلام پر انیسیون اور دبیریون مین جھگڑا

میر صاحب نے ایک سلام کہا جس کا مطلع تھا:۔

سدا ہے فکر ترقی مآل بینون کو
ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو

اور اس مین ایک لاجواب شعر تھا۔

یہ جھریان نہین ہاتھون پہ ضعف پیری نے — چُنا ہے جامۂ ہستی کی آستینون کو

قافیہ دشوار تھا اور نہایت بیساختگی سے نظم ہوا۔ تمام شہر مین دھوم مچ گئی۔ مشاہیر شعرا نے اس زمین مین سلام کہے۔ واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ شاعر تھے۔ انہون نے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) ایک سلام کہا جس کا مقطع ہے:۔

نواسنجیون نے تری اے انیس — ہر اک زاغ کو خوش بیان کردیا

جب یہ سلام سلیس کو پہونچا وہ سمجھے کہ یہ چوٹ مجھ پر ہے۔ فوراً سلام کی تضمین کرکے میر صاحب کے پاس بھیج دی۔ مقطع پر یون مصرعے لگائے تھے

نہ مونس کی باتین تھین ایسی نفیس ٭ نہ تھی انس کی نظم ایسی سلیس ٭ یہ سچ ہے بقول انیس اے سلیس
نواسنجون نے تری اے انیس — ہر اک زاغ کو خوش بیان کردیا

جب میر صاحب کو یہ خمسہ پہونچا ایک نظر دیکھکر چپ ہوگئے۔ وہ کوہ حلم و وقار ایسی باتون کی کب پروا کرتا تھا (حیات دبیر)

[1] حیات دبیر صفحہ ۲۴۔ فٹ نوٹ

یہ قافیہ باندھا۔ فرماتے ہین :۔

جہادِ نفس عبادت مین مجھکو ہے منظور
وضو کے وقت اُلٹتا ہون آستینون کو

مرزا دبیر کے صاحبزادہ مرزا اوج نے بھی اسی زمین مین سلام کہا اور آستینون کے قافیہ پر بہت زور دیا۔ کہتے ہین۔

اُلٹ گیا درِ خیبر سے پہلے قلعۂ چرخ
خدا کے ہاتھ نے اُلٹا جو آستینون کو

یہ دست بردِ خزان کا بہار مین ڈر ہے
کہ غنچے تھامے ہین مٹھی مین آستینون کو

حق یہ ہے کہ میر صاحب کے شعر کی ہوا بھی کسی کو نہ پہونچی اور یہ قافیہ اُنھین کے حصہ کا ہو گیا ستم یہ ہوا کہ میر انیس کے چھوٹے بھائی میر مونس نے ایک مجلس مین جس مین شاگردانِ دبیر کا مجمع تھا اپنا سلام اسی زمین مین پڑھا اور اُسمین یہ طنزیہ شعر بھی تھا۔

بھلا تردد بیجا سے اُس مین کیا حاصل
اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو

اور شاید یہ شعر بھی تھا۔

نیا مزہ ہے کہ مضمون تو دستیاب نہین
مقابلہ یہ چڑھاتے ہین آستینون کو

شہزادگانِ اودھ مین سے نواب ممتاز الدولہ مرزا دبیر کے شاگرد اس مجلس مین موجود تھے اُن کو سخت ملال ہوا مجلس سے اُٹھکر چلے گئے۔ پھر تو انیسیون اور دبیریون مین شور پچ گیا مرزا صاحب کے مشہور شاگرد میان بشیر نے خوب بے نقط سنائین :۔

جلی کٹی مرے استاد سے کرے جو کوئی
تو پھونک دون مع خرمن مین خوشہ چینون کو

ہزار بار سزا پاکے منھ یہ چڑھتے ہین
متنبر کیا کہون ان احمق اللذینون کو

لگا کے سرمۂ تربت بہشت دیکھ لیا
خجل کیا مری آنکھون نے دوربینون کو

اساتذہ کی ہین غزلین سلام بھی اکثر
نیا سمجھتے ہین پھر لوگ ان زمینون کو

نظیر برادر دبیر نے ایک سلام کے مقطع مین کہا۔

طعنہ زن ہوتے ہین جو بیٹھ کے منبر پہ نظیرؔ
کیا نہین جانتے وہ اہل زبان اور بھی ہین

قربان جائیے ان دونون بزرگون کی صفائی قلب کے کہ میر صاحب مونس پر اور مرزا صاحب مشیر پر بہت خفا ہوے۔ میر مونس مرزا صاحب کی خدمت مین اور شیخ مشیر میر صاحب کے حضور مین آکر عذرخواہ ہوے اور وہ گرد کدورت دور ہو گئی۔

خیالِ خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

میر انیس کے پڑھنے کی خاص خاص مجلسین

جن مجلسون مین میر صاحب یا مرزا صاحب پڑھتے دور دور سے شایقین آتے تھے اتنا مجمع ہوتا تھا کہ زانو بدلنا دشوار ہوتا اور دیر سے آنے والون کو بہ مشکل جگہ ملتی۔ ملکۂ کشور والدۂ واجد علی شاہ کے یہان مجلسون مین ہمیشہ میر صاحب پڑھا کرتے تھے۔ حسین علی خان اثر خلف مرزا حیدر بیگ نایب نواب آصف الدولہ کے یہان اربعین مین روزانہ مجلس ہوتی تھی ایک دن میر صاحب اور دوسرے دن مرزا صاحب پڑھتے۔ لیکن ایک ہی مجلس مین یکے بعد دیگرے کبھی نہین پڑھے آٹھوین یا ساتوین محرم کو ایک مجلس میر صاحب۔ نواب علی نقی خان کے یہان پڑھتے تھے ایک روز مجلس شروع ہونے کے وقت نواب صاحب نے پیغام بھیجا کہ مین آج درد سر کی وجہ سے حاضری مجلس سے معذور ہون۔ میر صاحب نے جواب دیا آج میرا بھی مزاج درست نہین ہے۔ مناسب ہے مجلس موقوف رکھی جائے۔ انشاءاللہ سال آیندہ دیکھا جائیگا۔ نواب صاحب گھبرا کر باہر نکل آئے۔ میر صاحب سے معافی مانگی اور حالت مرض مین اختتام مجلس تک بیٹھے رہے۔

ہر مہینے کی تیسوین کو محمد خان داروغۂ فیل خانۂ شاہی کے یہان محلہ مفتی گنج مین میر صاحب پڑھا کرتے اور اسی محلہ مین اسی تاریخ وزیر خان داروغہ کے یہان مرزا صاحب پڑھتے تھے

صفر کی اٹھارویں کو حیدر خان نامی ایک رئیس کے یہاں میر صاحب پڑھتے اور اُسی دن کچھ فاصلہ پہ احمد علی خاں[1] سوز خوان کے یہاں مرزا صاحب پڑھا کرتے۔ چھبیسویں رجب کو ایک مجلس (بعد زمانۂ غدر) چوپٹیوں پر ہوا کرتی اور اُس میں میر صاحب پڑھا کرتے تھے اُسی تاریخ میر باقر تاجر کے امام باڑے میں مرزا صاحب پڑھا کرتے۔ داروغہ شیخ محمد عباس کے یہاں کنکر کے کنوئیں پر ۱۸ صفر کو میر انیس۔ اور اُسی کے قریب خان بہادر شیخ الطاف حسین کے یہاں مرزا صاحب پڑھتے۔ ہر جگہ اہل کمال کا جمگھٹ اور شایقین کی کثرت ہوتی تھی۔ میر انیس اُسکی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی　　اللہ جزا دے اس کرم کرنے کی
ماشاءاللہ چشم بد دور انیس　　مجلس میں جگہ نہیں ہے تل دھرنے کی

شاہی مجلس

دونوں بزرگ ایک مجلس میں کبھی جمع نہ ہوتے لیکن لکھنؤ کے حضرات دونوں کو جمع کیے بغیر کب ماننے والے تھے۔ نواب مفتاح الدولہ بہادر نے

[1] اس مجلس میں مرزا دبیر ہمیشہ ایک رباعی اس ردیف وقافیہ میں ضرور پڑھا کرتے تھے۔ حقیر آیا ہے۔ دبیر آیا ہے۔ نظیر آیا ہے۔

ایک مرتبہ اس مجلس کے آنے والوں سے راستہ میں بعض آدمیوں نے کہا کہ "مرزا صاحب احمد علیخان کی مجلس میں نہیں آئے" اس فقرہ میں آکر کچھ لوگ جو اس مجلس میں آرہے تھے حیدر خان کی مجلس میں چلے گئے جو قریب ہی ہوتی تھی اور اُسمیں میر انیس پڑھتے تھے۔ مرزا صاحب کو خبر ہوگئی۔ منبر پر تشریف لائے تو اول یہ رباعی پڑھی :۔
کس بزم تو اب میں حقیر آیا ہے ÷ سننے کو بھی انبوہ کثیر آیا ہے ÷ کیوں راہ میں بہکاتے ہیں مشتاقوں کو ÷ یہ کون ہے۔ جو نہیں دبیر آیا ہے ÷۔ عبرت کا مقام ہے لکھنؤ کی شاہی لٹ گئی۔ اشراف گردی کا دور ہوا احمد علیخان کی بھی وہ حالت نہ رہی اور اٹھارویں صفر کی مجلس حسب معمول ہوئی۔ نہ وہ اگلا سا مجمع نہ وہ جوہر شناسوں کی بھیڑ۔ حاضرین عہد نوابی کا ہجوم یاد کرکے افسوس کر رہے تھے۔
مرزا صاحب نے منبر پر جاکر حسب ذیل رباعی فی البدیہہ پڑھی :۔

پھر چرخ پہ آسمان پیر آیا ہے　　ہر کوچہ میں وقت دار و گیر آیا ہے
اگلا سا نہ مجمع ہے نہ اگلے سے وہ لوگ　　یاں آن کے حیرت میں دبیر آیا ہے

حضرت جانِ عالم واجد علی شاہ کے سامنے دونون صاحبون کی تعریف کرکے ایسی تقریر کی کہ بادشاہ سلامت نے دونون کو ایک مجلس مین جمع کرنے کا ارادہ کرلیا۔ مفتاح الدولہ حسب الحکم خود دونون صاحبون کی خدمت مین حاضر ہوے اور بادشاہی پیغام پہونچایا۔ حکم سلطانی سے انحراف کیونکر ہوسکتا تھا دونون نے منظور کیا۔ معینہ وقت پر پہلے مرزا دبیر پہونچے اور باریاب ہوکر ایک جانب بیٹھ گئے۔ میر صاحب کچھ دیر کے بعد پہونچے۔ فرش پر پاؤن رکھتے ہی تمام ارباب مجلس تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوے۔ جب مجلس شروع ہوئی پہلے مرزا دبیر کو پڑھنے کا حکم دیا گیا انھون نے ایک رباعی بادشاہ کی تعریف مین پڑھکر مرثیہ شروع کیا۔ واہ واہ سبحان اللہ کی آوازون سے محل شاہی گونجنے لگا اور مآل مجلس بھی حاصل ہوا۔ اُن کے بعد میر انیس کو پڑھنے کی ہدایت ہوئی۔ میر صاحب کچھ لیکر نہین گئے تھے۔ اپنے بھائی مونس سے پوچھا کچھ لائے ہو اُنھون نے ایک سلام اور مرثیہ پیش کیا اُس کو دیکھا اور فی البدیہہ ایک مطلع تصنیف کرکے منبر پر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر تک اپنی عادت کے موافق چپ بیٹھے رہے۔ پھر ایک رباعی جناب امیر کی مدح مین پڑھی۔ چارون طرف سے آفرین و مرحبا کا شور بلند ہوا۔ زان بعد سلام شروع کیا جس کا فی البدیہہ مطلع یہ تھا۔

غیر کی مدح کرون شہ کا ثنا خوان ہوکر ۔۔۔ مجرئی اپنی ہوا کھوؤن سلیمان ہوکر

اس مطلع کا سننا تھا کہ معنی فہم طبیعتین ادائے کلام کے مزے لینے لگین۔ سلام ختم کرکے میر صاحب نے مرثیہ کے چند بند پڑھے جس سے اہل مجلس پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور رزم و بزم کا حق ادا کرکے منبر سے اُترے۔ تمام شہر مین اس مجلس کا شہرہ ہوگیا اور میر صاحب کی خودداری کی دھوم مچ گئی۔ بادشاہ سلامت بھی بہت محظوظ ہوئے اور فتح الدولہ برق سے مخاطب ہوکر

لہ مولف حیات دبیر نے شاہی مجلس مین بھی میر اور مرزا کی یکجا خواندگی سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دونون بزرگ ایک مجلس مین کبھی نہین پڑھے۔ لیکن سلطان عالم کی محفل مین ان دونون بزرگون کے جمع ہونے کا قصہ لکھنؤ مین آج تک مشہور رہے۔ ممکن ہے کہ اس واقعہ کی اصلیت ہو۔ اور محفل شاہی قاعدہ کلیہ سے مستثنےٰ ہو۔ واللہ اعلم۔

فرمایا کہ "کیون فتح الدولہ مین نہ کہتا تھا کہ میرانیس لکھنؤ مین ایک ہی شاعر ہین۔ دیکھا تم نے یہ زبان انھین کے لیے خاص ہے"

شاہ نامۂ اودھ

اسی زمانہ مین بادشاہ کو خیال آیا کہ شاہنامہ کے طرز پر اُن کے خاندانی حالات نظم کیے جائین۔ اس خدمت کے لیے چار شعرا تجویز ہوے یعنی فتح الدولہ برق۔ تدبیر الدولہ اسیر۔ مرزا مہدی قبول۔ اور میر ببر علی انیس۔ اور یہ بات قرار پائی کہ تھوڑا تھوڑا حصہ تاریخ کا ان چارون شعرا کو تقسیم کر دیا جائے تاکہ کتاب جلد تمام ہو اور ہر شاعر کی طبیعت کا رنگ بھی علیحدہ علیحدہ نظر آئے۔ میر انیس دربار مین طلب ہوئے اور یہ تجویز پیش کی گئی۔ میر انیس نے اخلاقاً اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے علی نقی خان وزیر کی جانب اشارہ کیا کہ میر صاحب کے ہمراہ جائین اور مصاحب منزل کے کمرے دکھائین جو کمرہ میر صاحب پسند فرمائین اُن کے قیام کے لیے اسباب راحت وہین جمع کرایا جائے اور یہ کام شروع ہو جائے میر صاحب کو جب معلوم ہوا کہ یہ خدمت پابندی سے لیجائیگی اور شب و روز یہین رہنا ہوگا بیدل ہو گئے براہ امتثال امر علی نقی خان کے ہمراہ گئے اور مصاحب منزل کے کمرے دیکھنے لگے آخر پریشان ہو کر بولے۔

غریبون کی کیا موت کیا زندگی　　　جگہ جس جگہ مل گئی مر رہے

اور کسی حیلے سے اس خدمت سے انکار کر دیا شاہنامہ کا سلسلہ شروع ہونے نہین پایا تھا کہ زمانہ نے سلطنت کا ورق ہی اُلٹ دیا۔

شاعری کا تاج

زوجۂ میر ضمیر مرحوم کی تقریب چہلم مین ببر انیس مرثیہ پڑھ رہے تھے رؤسا اور اکابر شہر کے علاوہ شعرائے باکمال کا بھی مجمع تھا۔ خواجہ حیدر علی آتش بھی موجود تھے۔ میر صاحب وہ مرثیہ پڑھ رہے تھے جس کا مطلع ہے۔

آمد ہے کربلا کے نیستان مین شیر کی　　　ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی

تلوار کی تعریف مین جب اس بیت کی نوبت آئی۔

اشراف کا بناؤ رئیسون کی شان ہے   شاہون کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

خواجہ آتش کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اس بیت کی داد آپ سے چاہتا ہون" خواجہ کی آزادی اور شوریدہ مزاجی مشہور ہے پہلے سے جھوم رہے تھے۔ یہ بیت سنکر نصف قد کھڑے ہو گئے اور باآواز بلند کہا کہ "کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو۔ واللہ تم باللہ تم شاعر ہو اور شاعری کا مقدس تاج تمہارے سر کے لیے موزون ہے اللہ مبارک کرے"

معراج کمال

واجد علی شاہ کے آخری زمانہ مین میر صاحب کی شہرت معراج کمال تک پہونچ چکی تھی ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ قدرشناس موتیون اور جواہرات کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کا کلام تحفہ کے طور پر دوسرے شہرون مین بھیجا جاتا تھا۔ ایک دن وہ تھا جب میر صاحب نے فرمایا تھا۔

گر قدردان ہین کم تو نہ کر اتنا اضطراب   جلدی مدد کرین گے شہ آسمان جناب

اور اب فرماتے ہین۔

آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا اللہ   رکھ میرے دوستونکو جہان مین بعزوجاہ

یارب ہرا بھرا چمن آرزو رہے
جبتک چمن مین گل رہے اور گل مین بو رہے

آشوب غدر

یکایک زمانہ کی ہوا پلٹی۔ وزرا اور عمال کی نمک حرامی سے واجد علی شاہ معزول ہوئے۔ کمپنی کا راج ہوا۔ زمین و آسمان بدل گیا اور اس کے بعد ہی غدر کا مہیب فتنہ و فساد برپا ہوا جس نے کمینون کو امیر اور شریفون کو رذیل بنا دیا

روستازادگان دانشمند   بوزیری پادشہ رفتند
پسران وزیر ناقص عقل   بگدائی بروستا رفتند

تمام علمی ترقیان دفعتہً رک گئین اُس سال لکھنؤ کا محرم حسرت و عبرت کی دردناک تصویر تھا۔

یادِ دلؔ[۱] آ آکے رو گئے ہائے غضب | آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسینؑ کو نہ روئے اس سال | آنکھون کے نصیب سو گئے ہائے غضب

مشرقی طرزِ حکومت کا فدائی دیکھیے کس درد سے کہتا ہے۔

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے | جب ملک کو یون غنیم برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوندِ کریم | اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

باغیون کی عملداری مین میر صاحب گھبرا رہے ہین۔

افسوس زمانہ کا عجب طور ہوا | کیون چرخِ کہن نیا یہ کیا دور ہوا
گردش کب تک نکل چلو جلد انیسؔ | اب یان کی زمین اور فلک اور ہوا

مرزا دبیر نے یہ رباعی سن کر تسکین دی۔

کس عہد مین تبدیل نہین دور ہوا | گہ عدل گئے ظلم گئے جور ہوا
اللہ وہی ہے تو نہ مضطر ہو دبیرؔ | کیا غم جو زمین اور فلک اور ہوا

لیکن جب بھگدڑ پڑی اور شرفا روپوش ہونے لگے یہ دونون بزرگ لکھنؤ سے فرار ہوئے مرزا دبیر کچھ دنون کے لیے سیتاپور[۲] گئے اور میر انیس نے بھی وطن چھوڑا۔ سنا ہے اس عرصہ مین کچھ زمانہ تک وہ کاکوری مقیم رہے جب بغاوت فرو ہوئی ان کا اشتہار جاری ہوا۔ لکھنؤ پھر بسا تو میر صاحب واپس تشریف لائے مگر اخترنگر[۳] اُجڑ چکا تھا اور اگلی صحبتین خواب و خیال ہو گئی

۱؎ ۱۸۵۷ء مین محرم اگست کے مہینے مین پڑا اور بھری برسات تھی۔

۲؎ اس خانہ بربادی کے عالم مین مرزا دبیر نے ایک نہایت دردناک رباعی کہی تھی جو عبرتِ ناظرین کے لیے درج کی جاتی ہے۔

شطرنج دو رنگی سے ہین ششدر بندے | آوارہ ہین شہر شہر در در بندے
اے بندہ نواز ہے تعجب کا محل | تو مالک ملک اور بے گھر بندے

۳؎ اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کا تخلص اختر تھا۔ اس رعایت سے لکھنؤ کو اخترنگر کہتے تھے۔

ای مصحفی مین روؤن کیا اگلی صحبتون کو | بن بن کے کھیل ایسے لاکھون بگڑ گئے ہین =

تھین۔ میر صاحب کے شیشۂ دل پر سخت چوٹ لگی۔ فرماتے ہین۔

ورق اُلٹ گیا دنیا کا یک بیک کیون چرخ — یہ کس طرح کا زمانے مین انقلاب آیا
پیام مرگ ہے موئے سفید اے غافل — کبھی سنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا
الٹ گیا نہ فقط لکھنؤ کا اک طبقہ — انیس ملک سخن مین بھی انقلاب آیا

غدر کے بعد مکان — ٹھٹھی محلہ اور شیدیون کا احاطہ کھُد گیا تو غدر کے بعد میر صاحب نے چند روز محلۂ منصور نگر مین قیام کیا وہان سے راجہ کی بازار تشریف لے گئے پھر سبزی منڈی مین ایک مکان خود تعمیر کرایا اور اُسی مین رہنے لگے۔ مکان کے قریب ایک مختصر باغ تھا جو اب ویران ہوگیا اور اُس جگہ ایک کمرہ بنا ہے جسمین میر صاحب آرام فرماتے ہین اور اُنکے بعض اعزا بھی بغل ہی مین آسودہ ہین۔

پٹنہ عظیم آباد کے سفر — جب تک لکھنؤ مرحوم گلزار تھا بلبلِ بوستانِ انیس کو نقل وحرکت کی ضرورت نہ تھی۔ حیدرآباد سے کئی مرتبہ پیام طلب آئے۔ بہار والون نے بھی بلایا۔ میر صاحب انکار کرتے رہے جب لکھنؤ مٹ گیا اور داد ودہش کا قحط پڑا میر صاحب نے ۱۸۵۹ء مین پہلی بار پٹنہ کا سفر کیا اور ۱۸۶۰ء مین دوسری مرتبہ نواب قاسم علی خان کی طلب سے عظیم آباد گئے۔ پردیسیون نے گھر والون سے زیادہ خاطر ومدارات کی اور ہر سال اس طرف کا سفر معمول ہوگیا۔ ایک سال کسی سبب سے نہ جا سکے تو سال آیندہ کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔ چارون طرف سے بڑے بڑے رئیس وامیر اربابِ علم وکمال میر صاحب کو دیکھنے اور کلام سننے کے لیے وہان پہنچ گئے۔ ہزارون آدمیون کا مجمع تھا۔ سوز خوانی کے بعد دو ڈھائی گھنٹے تک میر مونس منبر پر تحت لفظ پڑھے اور اپنے کمالات ختم کردیے۔ جب میر مونس منبر سے اُترے میر صاحب کی باری آئی تھوڑی دیر حسب معمول چپ بیٹھے رہے پھر ارشاد فرمایا ”صاحبو مجلس کو بہت طول ہوگیا اور غالبًا آپ حضرات میر مونس کو سنکر سیر ہوگئے ہونگے۔ اب فریضۂ ظہر کا وقت آگیا جس کو جناب سید الشہدا نے تلوار کی دھارون مین ادا فرمایا ہے مین نماز پڑھ لینا چاہتا ہون آپ بھی نماز سے فارغ ہولین۔ پھر جن صاحبون کو انیس کا سننا منظور ہو وہ تشریف لائین

اور جو میر مونس کو سنکر سیر ہو چکے وہ اپنے گھرون مین آرام فرمائین" اس تقریر نے ایک عام مایوسی پیدا کر دی۔ میر صاحب نماز پڑھنے چلے گئے تمام اہل مجلس اُٹھ کھڑے ہوئے وہ عالی شان مجمع برخاست ہو گیا۔ بعضون کو خیال ہوا کہ اب ایسا مجمع دشوار ہے ایک گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ اُن حضرات نے پھر معاودت فرمائی اور اپنے ساتھ دوسرون کو بھی لائے جو اس سے پہلے شریک نہ تھے جب میر صاحب کو خبر ہوئی کہ مجلس تیار ہے خرامان خرامان تشریف لائے اور منبر پر جا کر فرمایا کہ حضرات مجھکو اس کا اندازہ کرنا منظور تھا کہ انیس کے دیکھنے والے کتنے ہین۔ الحمدللہ آپ صاحبون نے قدردانی کا ثبوت دیا" یہ کہکر ساری مجلس کو گرویدہ کر لیا اور دو چار رباعیان پڑھکر یہ مرثیہ شروع کیا۔

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے ۔۔۔ جلوہ کیا سحر کے رخ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہ گردون رکاب نے ۔۔۔ مڑکر صدا رفیقون کو دی اُس جناب نے

آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

اِس مرثیہ کے مسجّع بندون نے سخن شناس طبایع پر جو اثر کیا اُس کا بیان ہو نہین سکتا۔ رزمیہ بندون کے ہر شعر پر واہ واہ سبحان اللہ کی آوازون سے تمام مکان گونج رہا تھا اور رنج والم کے جانکاہ بندون پر دلون مین بجلیان تڑپتی تھین۔ میر صاحب نے کئی مرتبہ چاہا کہ مرثیہ ختم کرین لیکن ساری مجلس کے اصرار نے جب تک پورا مرثیہ نہ سن لیا اُن کا منبر سے اُترنا قبول نہ کیا بلکہ اکثر جوہر شناس مقطع کا بند سنکر غمزدہ ہوئے کہ ابھی کیون مرثیہ ختم ہو گیا۔

حیدرآباد کا سفر

سنہ ۱۸۷۱ء مین نواب تہور جنگ بہادر نے میر صاحب کو حیدرآباد طلب کیا۔ یہ طلبی دراصل سر سالار جنگ بہادر مدار المہام سلطنت عالیہ کی طرف سے تھی میر صاحب جانا نہین چاہتے تھے مگر چند معززین کی سفارش سے مجبور

ہوکر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ اس وقت تک براہ راست ریلوے لائن جاری نہین تھی۔ کچھ دور تک گھوڑا گاڑی پر سفر کر کے براہ گلبرگہ حیدرآباد پہونچے اور سفر کی زحمت سے بیمار ہوگئے مجلس مین حیدرآباد کے تمام اُمرا و شرفا شریک تھے۔ ہزارون آدمی مکانون کی چھتون پر چڑھ گئے تھے اور ایک جم غفیر جس کو اندر جانے کی گنجایش نہین ملی باہر کھڑا ہوا تھا۔ میر انیس تپ مین مبتلا تھے اُنھون نے مجلس پڑھنے سے انکار کر دیا۔ فقرہ بازون نے خبر اُڑا دی کہ میر انیس کی علالتِ مزاج صرف بہانہ ہے۔ وہ حیدرآباد آئے ہی نہین۔ نواب تہور جنگ نے عرض کی کہ حضور منبر پر تشریف لیجائین اور صرف ایک رباعی پڑھکر اُتر آئین کیونکہ دشمنون نے میری رسوائی کے لیے آپ کے نہ تشریف لانے کی خبر تمام شہر مین اُڑا دی ہے۔ میر صاحب نے فرمایا مجھ مین بالکل قوت نہین ہے اور نہ میرے ہوش و حواس درست ہین۔ تجویز ہوئی کہ کسی حکیم حاذق سے میر صاحب کا معالجہ رجوع کیا جائے تا کہ تپ کم ہو کچھ بھی طاقت پیدا ہو جائے تو پھر لوگ خوشامد کر کے اپنا مطلب پورا کر لین۔ یہ صلاح پسند ہوئی اور کئی حکیمون کے نام پر استخارہ دیکھا گیا ایک ڈاکٹر کے نام پر استخارہ وجب آیا۔ میر صاحب ڈاکٹر کا نام سن کے متعجب ہوے اور کہا کہ مین نے کبھی ڈاکٹر کا علاج نہین کیا ہے۔ ڈاکٹر اپنے معمولات مین شراب کو ہر ایک مرکب کا جزو اعظم سمجھتے ہین مین اُن کی دوا استعمال نہین کرونگا۔ کہا گیا کہ ڈاکٹر صاحب مسلمان ہین کوئی دوا خلاف شریعت نہ دین گے۔ میر صاحب کا شک دور ہوا ڈاکٹر نے تپ اُتارنے کی دوا دی میر صاحب کو تھوڑی دیر تک پسینہ آتا رہا اور پھر بخار یک لخت اُتر گیا اگرچہ کسل تھا مگر ارکان سلطنت کی خوشامد سے مجبور ہو کر مجلس مین تشریف لائے۔ ذیل کی دو رباعیان فی البدیہہ تصنیف فرما کر پڑھین اور منبر سے اُتر آئے۔

رباعی

اللہ و رسولِ حق کی امداد رہے ۔۔۔ سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نواب ایسا رئیسِ اعظم ایسے ۔۔۔ یارب آباد حیدرآباد رہے

رباعی

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یان　　علم و عمل و عطا کا دستور ہے یان
مختار الملک اور بندگان عالی　　رحمت رحمت یہ نور پر نور ہے یان

جب طبیعت کسی قدر درست ہوئی میر صاحب نے مرثیہ پڑھا لیکن اختصار کا قصد کیا سامعین نے تقاضا کیا حضور خدا کے لیے ہم سب جانین لڑائے ہوئے ہین میر صاحب نے فرمایا کیا خوب آپ کی جانین لڑی ہین تو مین کیا کرون میری تو جان پر بنی ہے۔

ایک اور مجلس مین میر صاحب مرثیہ کے بارہ بندون تک پہونچے تھے دفعتہً خیال گذرا کہ سامعین کو پوری توجہ نہین ہے۔ بیدل ہو کر حاضرین پر ایک نظر ڈالی مرثیہ توڑ کر زانو پر رکھ لیا اور ایک حسرت ناک آواز سے فرمایا "ہائے لکھنؤ تجھے کہان سے لاؤن" پھر ناسازی طبیعت کا بہانہ کر کے منبر سے اتر آئے۔

تمام ارباب مجلس مہینون اس مرثیہ خوانی کا ذکر کرتے اور اُن کے طرز بیان کو یاد کر کے مزے لیتے رہے۔ رخصت کے وقت سر سالار جنگ نے سات ہزار اور نواب تہور جنگ نے تین ہزار روپیہ پیش کیے اور آمد و رفت کا خرچ علیحدہ دیا۔ ان مجالس کی شہرت ہونے کے بعد سر آسمان جاہ بہادر نے چاہا کہ میر انیس اُن کے یہان مجلس پڑھین اور اپنی ٹوپی کی جگہ حیدرآباد کی پگڑی رکھ کر زیب مجلس ہون تو پانچ ہزار روپیہ نذر کیا جائیگا۔ لیکن میر صاحب نے اپنی ٹوپی اُتار کر حیدرآباد کی پگڑی رکھنا قبول نہ کیا۔

حیدرآباد مین ایک سلام | ایک مرتبہ حیدرآباد کے ایک رئیس اعظم مجلس مین تشریف لائے لوگون نے ہاتھون ہاتھ منبر کے قریب پہونچایا ہمعصرون نے سروقد تعظیم دی میر صاحب نے فقط اتنا ہی کہا کہ بسم اللہ۔ میر صاحب کا تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہونا رئیس مذکور کے خلاف مزاج ہوا انھون نے اپنے مصاحبون سے خفیہ طور پر کہا کہ انکی مرثیہ خوانی کی تعریف نہ کیجائے میر صاحب اس سرگوشی کو تاڑ گئے جب منبر پر تشریف لے گئے

تو چند رباعیون کے بعد یہ سلام شروع کیا۔

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتوان پیدا ہوے
اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخوان پیدا ہوے

پہلے ہی شعر پر رئیس مذکور کو کسی قدر جنبش ہوئی۔ دوسرا شعر شروع کرنے سے پہلے میر صاحب نے رئیس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "سنیے یہ آپ کے سننے کا شعر ہے"

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبرون کے نشان پیدا ہوے

نواب بے اختیار تعریف کرنے لگے۔ پھر تیسرا شعر پڑھا۔

خاکساری نے دکھائین رفعتون پر رفعتین
اس زمین سے واہ کیا کیا آسمان پیدا ہوے

بس اب پورا رنگ جم چکا تھا چوتھے شعر نے ساری مجلس کو بیتاب کر دیا۔

بو دونا بود علی اصغر کا کیا کیجے بیان — بے زبان دنیا سے اٹھے بے زبان پیدا ہوے

اہل دکن کی قدردانی

میر صاحب پہلے تو اہل دکن کو نافہم و نادان سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جن محاسن پر انھین ناز ہے جس شاعری پر وہ فخر و مباہات کرتے ہین اس کے لیے زباندانی درکار ہے۔

یک بیک ایسا زمانہ مین ہوا ہے انقلاب
قدردان سب اٹھ گئے ناقدردان پیدا ہوے

آخر مین میر صاحب کو ان کی سخن فہمی کا اعتراف ہوا رؤسائے شہر نے ایسی قدر شناسی کی کہ ایک مرتبہ بعد ختم مجلس نواب تہور جنگ بہادر میر صاحب کو فنس مین سوار کرنے کے لیے دروازے تک تشریف لائے اور میر انیس کی نعلین اپنے ہاتھ سے اٹھا کر فنس مین رکھین۔

الہ آباد کی مجلس

جب میر انیس الہ آباد تشریف لے گئے اُن کی آمد کی عام اطلاع کے لیے اشتہار شائع کرائے گئے۔ کالج اور مدارس مین ایک روز کی تعطیل ہوئی۔ تمام کچہریون مین اہل عملہ کو شرکت کی اجازت دی گئی۔

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ سابق پروفیسر عربی الہ آباد کالج بیان کرتے ہین۔ جب مین اس مجلس مین پہونچا عالیشان مکان شائقین سے بھر چکا تھا سیکڑون مشتاق دھوپ مین کھڑے ہوے محو سماعت تھے۔ مرثیہ شروع ہو چکا تھا اور میر مجلس کے اندر جگہ پانا ناممکن تھا اس لیے مین بھی دھوپ مین کھڑا ہو کر سننے لگا۔ اُس وقت میر انیس بوڑھے ہو چکے تھے مگر اُن کا طرز بیان جوانون کو مات کرتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر ایک کل کی بڑھیا بیٹھی ہوئی جادو کر رہی ہے۔ خلق خدا کا دل جس طرف چاہتی ہے پھیر دیتی ہے کبھی ہنساتی ہے کبھی رُلاتی ہے۔ مین اسی حالت مین دو گھنٹے کے قریب کھڑا رہا میرے کپڑے پسینے سے تر اور پاؤن شل ہو گئے لیکن دلچسپی اور محویت کا یہ عالم تھا کہ جب تک میر انیس کی صورت دیکھتا رہا کوئی تکلیف محسوس نہین ہوئی۔

بنارس کی مجلس

ایک مرتبہ میر صاحب پٹنہ سے واپسی کے وقت بنارس مین مجلس پڑھنے کے لیے مقیم ہوئے یہ مجلس قاضی میر یار علی کے امام باڑہ واقع تیلیانالے مین منعقد ہوئی تھی۔ اُس وقت میر انیس میر اُنس میر مونس میر نفیس میر وحید پانچون حضرات رونق محفل تھے۔ پہلے میر وحید نے پیش خوانی کی پھر نفیس پڑھے اُن کے بعد میر مونس اور میر اُنس یکے بعد دیگرے منبر پر تشریف لے گئے۔ میر اُنس برابر کے بھائی تھے اُنھون نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی مرثیہ نے خوب رنگ دیا اور گریہ بھی بے حد ہوا جب میر انیس سے صاحب خانہ نے درخواست کی میر صاحب نے فرمایا کہ مال مجلس ہو چکا میر اُنس ماشاءاللہ خوب پڑھے اب میری کوئی ضرورت نہین مگر صاحب خانہ نے دست بستہ عرض کی کہ یہان سب حضور ہی کے مشتاق ہین اُن کو اس سعادت سے محروم رکھئے آخر میر صاحب مجبور ہوئے اور

فرمایا کہ حاضرین مجلس کسلمند اور خستہ ہین تھوڑی دیر آرام کرلین پھر مین پڑھونگا۔ حقّہ کا دور شروع ہوا نصف گھنٹہ کا وقفہ دیکر میر صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور مرثیہ ایسا پڑھا کہ اہل مجلس گذشتہ واقعات کو بھول گئے۔ خاکسار جامع اوراق ۱۹۱۵ء مین بسلسلۂ ملازمت بنارس مین تھا اُس وقت تک یہ مجلس وہان کے کہن سال بزرگون کو یاد تھی اور میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی فراموش نہین ہوا تھا۔

لطیفہ ۱ سلہ

ایک مرتبہ میر صاحب پٹنہ تشریف لیے جا رہے تھے۔ کانپور کے اسٹیشن پر لکھنؤ کے ایک امیرزادے نواب زبدۃ الدولہ بہادر جن سے میر صاحب آشنا نہ تھے ملے۔ یہ رئیس زادے اُس وقت ایک چینی اطلس کا لبادہ پہنے ہوئے تھے جس کا ریشم دھوپ کے عکس سے چمک رہا تھا۔ میر صاحب نے اپنے ایک ہمراہی سے پوچھا یہ کون صاحب ہین۔ ہمراہی نے عرض کی کہ جنرل ذوالفقار الدولہ کے صاحبزادہ ہین ان کا نام میر سید محمد اور خطاب زبدۃ الدولہ ہے۔ میر صاحب نے مسکرا کر کہا جبھی مرغ زرین بنے ہوئے ہین۔ صاحب بادشاہی متوسلین سے ہین۔

لطیفہ ۲

میر صاحب تپ مین مبتلا تھے۔ مفتی میر عباس عیادت کو تشریف لائے نبض دیکھکر فرمایا اب تو بخار خفیف ہوگیا ہے۔ میر صاحب نے فرمایا کہ ایک مشت استخوان کی ناتوانی دیکھکر ایسا خفیف ہوگیا ہے کہ شاید کمبخت اب منھ نہ دکھائیگا۔

لطیفہ ۳

ایک ملازم کو کسی کام کو بھیجا واپس آنے مین دیر ہوئی۔ میر صاحب غصہ مین بیٹھے ہوئے تھے کہ ملازم آیا اور ایک عجیب وغریب قصہ

(حاشیہ صفحہ ۹۴) سلہ میر انیس اور میر مونس میر صاحب کے بھائی تھے۔ میر نفیس صاحبزادے تھے اور میر وحید بھتیجے تھے یعنی میر انیس کے لڑکے۔ ۱۲

سلہ اس تالیف مین بیشتر قصص وحکایات حیات انیس (راشہری)۔ واقعات انیس (احسن) اور حیات دبیر (ثابت) سے اخذ کیے گئے ہین۔ لیکن بعض روایات ایسی بھی شامل ہین جو راقم حروف کو سینہ بسینہ پہونچی ہین۔ ۱۲

بیان کیا کہ چوک سے ایک برات جاتی تھی اوس کے دو اونٹ آپس مین لڑ رہے تھے راستہ بند تھا۔ راہگیر ایک طرف سے دوسری طرف نہین جا سکتے تھے۔ اس لیے واپسی مین دیر ہوئی۔ میر صاحب مسکرائے اور فرمایا تو صاف کیون نہین کہتے کہ جنگ جمل کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

لطیفہ ۴ میر انیس کو ایک امیر نے مدعو کیا کھانے کے بعد آم آئے مجمع احباب مین ایک حکیم صاحب بھی تھے کسی نے پوچھا کیون حکیم صاحب آم کھانا کیسا ہے حکیم صاحب نے جواب دیا کہ آم کا مزاج حار ہے اور آج کل فصل بھی گرم ہے پانی کھل کر نہین برسا اس لیے احتیاط مناسب ہے۔ اس دوران مین احباب نے اچھے آم چھانٹ کر کھانا شروع کر دیے۔ حکیم صاحب نے چند آم ایک قاب مین علیحدہ رکھ لیے تاکہ دلجمعی سے سیر ہو کر کھائین کسی نے کہا ”حکیم صاحب ہمین تو آم کھانے سے منع کرتے تھے اور اپنے لیے یہ سامان جمع کرتے ہین“ حکیم صاحب بولنے نہ پائے تھے کہ میر انیس نے فرمایا ”فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ“۔

لطیفہ ۵ میر انیس آگرہ آباد تشریف لے گئے وہان کے میزبان نے منجملہ اور لوازم ضیافت کے ایک من برف کی سل بھیجی۔ میر صاحب کے رفیقون مین سے ایک نے گڑھا کھود کر برف کی سل اُس مین رکھدی تاکہ بقدر ضرورت نکالتے رہین شام کو وہ رئیس تشریف لائے اور برف کا ذکر آیا میر صاحب نے فرمایا آپ نے حاتم کا کام کیا تھا مگر میرے رفیق نے قارون کی طرح زمین مین دفن کیا تاکہ وہ چاندی کا ڈلا پانی ہو کر نہ بہہ جائے۔

لطیفہ ۶ جناب عشق میر صاحب کے ایک ہم عصر شاعر اور رشتہ دار تھے اتفاق سے کچھ بے لطفی ہو گئی اور طرفین کی بیگمات نے بات بڑھا دی ایک روز جناب عشق کا ذکر آیا میر صاحب برافروختہ ہو رہے تھے فرمایا مین عشق کو

خوب جانتا ہون اُن کو پہلے ایک بات نکالنا اور پھر رونا دھونا خوب آتا ہے۔

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال — ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
کہین آنسو کی یہ روایت ہے — کہین یہ خونچکان حکایت ہے

یہ اشعار میر تقی میر کے ہین لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسی موقع کے لیے کہے تھے۔

لطیفہ ۷ — مرزا دبیر نے ایک بے نقط مرثیہ کہا جس کا مطلع ہے۔

ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہوا

ایک صاحب نے میر انیس سے ذکر کیا کہ مرزا دبیر نے ایک مرثیہ کہا ہے جسمین اول سے آخر تک کوئی حرف نقطہ دار نہین آیا ہے۔ میر صاحب مسکرا کر بولے یہ کیسے سر سے پاؤن تک مہمل ہے جو لوگ جانتے تھے کہ اس صنعت کو مہملہ کہتے ہین وہ میر صاحب کے لطف بیان سے محظوظ ہوے

لطیفہ ۸ — مفتی میر عباس اور جناب انیس مین محبت قلبی تھی کسی بات پر کچھ شکر رنجی ہوئی۔ مفتی صاحب نے ایک رقعہ میر انیس کے پاس روانہ کیا۔ انیس نے لفافہ پر یہ لکھکر واپس کر دیا۔

شعر

مرنجان دلم را کہ این مرغ وحشی — ز بامے کہ برخاست مشکل نشیند

لطیفہ ۹ — میر صاحب کے زمانہ مین رعایت لفظی کی بلا لکھنؤ پر مسلط تھی اور اُس کے اثر سے مجبور ہو کر میر صاحب بھی بعض اشعار مین اس رعایت کا لحاظ کرتے تھے کسی شخص نے میر صاحب سے پوچھا کیا آپ رعایت لفظی کو پسند کرتے ہین فرمایا کیا کرون لکھنؤ مین رہنا ہے۔

لطیفہ ۱۰ — میر صاحب کو اپنے گھر کی زبان پر ناز تھا اور وہ بعض محاورات مین اہل لکھنؤ کی تقلید نہین کرتے تھے۔ تاہم یہان کی زبان کو دہلی کی مروجہ اردو سے بہتر سمجھتے تھے۔ میر صاحب کے ایک دوست دہلی جانے لگے اُن سے فرمایا تم

دہلی جاتے ہو تمھاری زبان بگڑ جائیگی پھر وہی ورے پرے بولنے لگوگے۔

حکایت ۱ ایک نواب صاحب میر انیس کی خدمت مین مرثیہ کی مشق فرما رہے تھے اتفاق سے کھجانے کی ضرورت ہوئی ضبط نہ کر سکے۔ دامن ہٹا کر پیٹ کھجانے لگے۔ میر صاحب نے کن انکھیون سے دیکھا اور خاموش ہو رہے جب کھجانے کا سلسلہ دیر تک جاری رہا میر صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ مرثیہ رکھدو اور اچھی طرح کھجا لو۔ مرثیہ پڑھنے اور اس بدتمیزی سے کیا علاقہ۔ نواب صاحب نے معافی چاہی میر صاحب نے فرمایا۔ "نہین صاحب کھجائیے اور اچھی طرح کھجائیے۔" آپ نے مرثیہ کی تعلیم دھرپد اور ٹپے کی تعلیم سمجھی ہے کہ گاتے بھی جاتے ہین اور کھجاتے بھی جاتے ہین۔

حکایت ۲ میر صاحب چاہتے تھے کہ دوران مرثیہ خوانی مین کوئی صاحب آئین تو جہان جگہ ملے وہین بیٹھ جائین وہ اکثر فرماتے تھے کہ انیس کے مشتاق ہونگے تو پہلے سے تشریف لا کر کشمکش کی زحمت نہ اُٹھائین گے ورنہ بانی مجلس کی خاطر سے آنے والے قدردانِ انیس نہین ہین اور نہ انیس کو ان کے حفظِ مراتب کی ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ دوران مرثیہ خوانی مین ایک رئیس تشریف لائے اور چاہا کہ کسی طرح صفین چیرتے پھاندتے منبر کے قریب پہونچ جائین۔ میر صاحب سمجھ گئے اور اپنی رعب دار آواز سے فرمایا کہ بس وہین بیٹھ جاؤ ایک قدم آگے نہ بڑھانا۔ رئیس نے وہین غوطہ مارا اور میر صاحب کی بے اعتنائی کی پروا نہین کی۔

حکایت ۳ ایک مرتبہ میر صاحب کی طبیعت کسلمند تھی آواز خستہ ہوگئی تھی شائقین نے مجلس پڑھنے کا اصرار کیا۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور حسب ذیل رباعی فی البدیہہ تصنیف کر کے پڑھی۔

ہر چند کہ خستہ و حزین ہے آواز	پر تعزیہ دار شاہِ دین ہے آواز
نکلے نہ اگر گنج دہن سے تو بجا	ماتم کے ہین دن سوگ نشین ہے آواز

حکایت ۴۔ گرمی کا موسم تھا اور مشتاقون کے ہجوم نے مجلس مین سانس لینا دشوار کر دیا تھا۔ میر صاحب نے ارشاد فرمایا۔

دھوپ آکے یہان پہ زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
آہون کے ہین پنکھے آنسوون کا چھڑکاؤ
یان گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

حکایت ۵۔ شہادتِ علی اصغرؑ کے احوال مین ایک دردناک مرثیہ میر صاحب نے سخت بیماری کی حالت مین کہا تھا۔ اس کے مقطع مین عرض کرتے ہین:

دفنِ علی اصغر کا ہے پر درد بہت حال ۔۔۔ کرشہ سے یہی عرض کہ اے فاطمہ کے لال
بیمار انیسِ جگر افگار ہے امسال ۔۔۔ یہ مرض مراد دور ہو یاور رہے اقبال
ہو داد رسِ خلق مری داد کو پہونچو
اے شاہِ شہیدان مری امداد کو پہونچو

اسی حالت مین وہ مرثیہ بھی کہا جس کا مطلع ہے ع جبکہ تیرون سے بدن شاہ کا غربال ہوا
اُسکے مقطع مین دعا مانگتے ہین:۔

یا حسین ابن علی قبلۂ دین شاہ انام ۔۔۔ سخت ایذا مین گرفتار ہے حضرت کا غلام
مضطرب ہون مدد اے یا شہِ ذیشان مدد اے ۔۔۔ وقت مشکل ہے مددگارِ غریبان مدد اے

اس مرثیہ مین وہ مشہور شعر بھی ہے جو بعد کو مرزا دبیر کی نازک خیالی سے ترقی پاکر سہل ممتنع ہو گیا
میر صاحب نے فرمایا تھا

حلق پر تیغ ہو اور سینہ پہ ہوئے جلاّد ۔۔۔ ہے یہ امید کہ اُس دم بھی نہ بھولے تری یاد
نہ غمِ اہلِ حرم ہو نہ خیالِ اولاد ۔۔۔ کان تک میرے سکینہ کی نہ پہونچے فریاد
دھیان بیٹے کا نہ بیٹی کا نہ ہمشیر کا ہو

ذکر تسبیح کا تہلیل کا تکبیر کا ہو

مرزا دبیر نے اس خیال کو یون ادا کیا:-

تو شہنشاہ شہنشاہون کا ہے بارِ خدا　　ہین برابر تری درگاہ مین سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشقِ جان باز ہے البتہ جدا　　لے خوشا حال کہ مجھ سے ہو ترا عشق ادا
حلق پر تیغ رہے سینے پہ جلاّد رہے
لب پہ ہو نام ترا دل مین تری یاد رہے

سبحان اللہ! کس قدر صاف بندش ہے اور کیسا مؤثر طرز بیان!! دونون بزرگون نے ایک ہی مضمون نظم کیا مگر مرزا صاحب نے "لب پہ ہو نام ترا" اضافہ کر کے شعر مین جان ڈالدی اور میر انیس کا سارا بند اپنی ایک ٹیپ سے گرد کر دیا[۱]

حکایت ۱۱ — جس سال میر صاحب پہلی مرتبہ عظیم آباد تشریف لیگئے ایک سخن شناس نے ان کا کلام سنکر اعتراض کیا کہ مرثیہ گویانِ لکھنؤ حضرات اہلبیت کا صبر و شکر کرنے کے بجائے بعض اوقات ایسی باتین نظم کرتے ہین جو صبر و رضا کے بالکل منافی ہین۔ یہ خبر جب میر انیس تک پہونچی آپ نے فرمایا کہ جو صاحب معترض ہین وہ دس بندہی ایسے کہکر سنا دین جن مین صحیح روایات سے مطلق تجاوز نہو اور پھر کلام مؤثر و مبکی ہو۔

حکایت ۱۲ — میر صاحب کے باکمال نواسے پیارے صاحب رشید کا عنفوان شباب کا زمانہ اور مشق سخن کی ابتدا تھی۔ انھون نے غزل کہی۔ نانا کے پاس اصلاح کو لے گئے۔ مصرعہ طرح یہ تھا ع - وصل کی شب اُن سے باتون مین سحر ہو جائیگی۔

---

[۱] نافہم کہتے ہین کہ یہ حکایت "یادگار" سے نکال ڈال۔ اس قصہ سے میر صاحب کی تنقیص ہوتی ہے۔ اور اگر اس کے درج کرنے پر اصرار ہے تو یہ شعر بھی لکھدے

گاہ باشد کہ کودکے نادان　　از غلط بر ہدف زند تیرے

نقلِ کفر کفر نباشد۔ مرزا صاحب کی شان مین راقم الحروف ایسی گستاخی ہرگز نہین کر سکتا اور نہ اس حکایت کو حذف کر کے انصاف کے گلے پر چھری چلا سکتا ہے۔ ۱۲

جدامجد کو خوش پاکر عرض کی کہ آپ بھی اسی طرح مین غزل کہین ۔پیارے نواسے کو گلے لگا کر ارشاد فرمایا "بیٹا مرثیہ ہماری غزل ہے ۔اچھا ایک مجلس مین تمھاری خوشی کرین گے اور غزل پڑھین گے ۔چند روز کے بعد دل آرام کی بارہ دری مین مجلس تھی ۔دو رباعیان پڑھنے کے بعد فرمایا کہ "پیارے ہماری غزل سنو" اور اسی زمین مین ایک دردانگیز سلام پڑھا جس کا ایک شعر مؤلف حیات رشید نے اس حکایت کے ساتھ اپنی دلچسپ تالیف مین نقل کیا ہے :۔

کہتے تھے سرور علی اکبر کا مرنا ہائے ہائے
کیا غضب ہوگا جو صغرا کو خبر ہو جائیگی

حکایت ۸

میر صاحب کے سامنے کسی شخص نے جرأت کا یہ شعر پڑھا۔

ہمارے سر پہ چھائی ہین بلائین شام ہجران کی
وہ اپنے شغل مین ہین بال ادھر کھولے ادھر باندھے

آپ نے بہت تعریف کی اور اپنے دونون ہاتھ کانون کے پاس لیجا کے اور چارون انگلیون کو یکے بعد دیگرے ایک دوری حرکت دیکے دوسرے مصرعہ کو اس طریقہ سے ادا کیا کہ آراستگی زلف کی تصویر حاضرین کے سامنے کھنچ گئی ۔

حکایت ۹

میر صاحب ایک روز لب سڑک بیٹھے ہوئے تھے ایک رئیس کی گاڑی سامنے سے گذری رئیس نے کوچوان سے اشارہ کیا کہ گاڑی آہستہ آہستہ لیچلے تاکہ میر صاحب متوجہ ہون تو سلام کر لے میر صاحب نے فوراً ارادہ سمجھ لیا اور اس جانب سے منھ پھیر کر کسی اور شخص سے گفتگو کرنے لگے جب گاڑی نکل گئی فرمایا کہ اس شخص کی صورت سے مجھے نفرت ہے اس نے سلطنت سے بے ایمانی کی اور ہزارون بے گناہون کی گردنون پر چھری پھیری ہے ۔مین کیا ہون رحمت خدا نے بھی ایسے لوگون کی جانب سے منھ پھیر لیا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ماہ رمضان مین نماز جماعت کے لیے تحسین کی مسجد مین تشریف لے گئے

وہان بھی ایک رئیس نے میر صاحب کو مخاطب کرنا چاہا اُنھون نے منھ پھیر لیا اور دوسرے شخص سے باتین کرنے لگے کسی نے عرض کی کہ فلان رئیس امیدوار سلام ہے میر صاحب نے دوسری جانب رُخ پھیر کر فرمایا کہان اُس نے رئیس کی طرف اشارہ کر کے کہا اُدھر میر صاحب نے تیسری جانب رخ پھیر کر فرمایا کہان ہین آخر وہ رئیس شرمندہ ہو کر بیٹھ گئے اور میر صاحب مسکراتے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے۔

حکایت ۱۱۰ ۔ داروغہ اچھے صاحب ایک بزرگ لکھنؤ مین میر صاحب کے شاگرد تھے سال بھر بعد ایک مجلس بڑی دھوم دھام سے کرتے اور تمام رؤساء شہر اور شرفا کو بلاتے تھے اُن کو مرثیہ خوانی کا بڑا دعوے تھا۔ ایک مرتبہ میر انیس کا نیا مرثیہ پڑھے۔ میر صاحب بھی موجود تھے داروغہ صاحب نے اپنی دانست مین مرثیہ خوانی کے خوب جوہر دکھائے اور بڑے فخر و مباہات سے مرثیہ تمام کیا جب مجلس ختم ہو گئی میر صاحب نے اپنے ایک حاضر باش سے فرمایا کہ آپ نے داروغہ صاحب کا پڑھنا دیکھا اُنھون نے تعریف کی میر انیس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور بولے تم ایسا کہتے ہو میرے مرثیہ کی ہڈیان پسلیان توڑ دین میرے مضامین پر ظلم کیا میرے قلب پر جو کچھ صدمہ گذرا ہے اُسکو مین ہی خوب جانتا ہون۔ یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ داروغہ صاحب کی فینس آ گئی میر صاحب فرمانے لگے دیکھیے یہان بھی مجھ سے داد لینے آئے ہین لیکن جون ہی داروغہ صاحب فینس سے اُترے میر انیس نے فرمایا کہ "اچھے صاحب آج کی مجلس یادگار پڑھے ہو۔ مین حیران ہون کہ میرے خیالات شاعری کے لیے تم مین جذبات خواندگی کہان سے پیدا ہو جاتے ہین۔ داروغہ صاحب نے تسلیم کی اور بیٹھے۔ میر انیس نے پھر سلسلۂ تعریف شروع کیا داروغہ صاحب کھڑے ہو گئے اور پھر فراشی سلام کیا۔ اس ترکیب سے دس پانچ مرتبہ داروغہ صاحب کو اُٹھ بیٹھ کرنا پڑی۔ پھر میر صاحب نے اپنے صاحبزادے کو بلوایا اور اُن سے مخاطب ہو کر تعریف شروع کی "کیون خورشید علی تم نے اچھے صاحب کا پڑھنا سنا" صاحبزادے نے بھی

تعریف کی۔ میر صاحب نے فرمایا کہ "خدا جانے آج تک اس مرثیہ کو مین کیا پڑھا اور تم کیا پڑھے۔ مرثیہ کے جوہر تو آج داروغہ صاحب کے پڑھنے سے کھلے ہین" داروغہ صاحب اس مبالغہ پر پھول گئے۔ اور حقیقت امر کو نہ سمجھے۔

بحر لکھنوی

لکھنؤ کے مشہور شاعر شیخ امداد علی بحر میر انیس کی خدمت مین اکثر تشریف لاتے اور اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ ایک روز میر صاحب کے سامنے ایک مطلع پڑھا۔ جس کی مشاعرہ مین بہت تعریف ہوئی تھی اور داد کے امیدوار ہوئے میر صاحب سن کر خاموش ہو گئے۔ شیخ صاحب نے دوبارہ داد چاہی۔ میر صاحب کو ان کی اس حرکت سے غصہ آگیا۔ فرمایا کہ مین نہین سمجھتا اس مطلع کی تعریف اہل مشاعرہ نے کیا سمجھکر کی اسمین تو ایک ترکیب خلاف محاورہ واقع ہوئی ہے۔ مطلع یہ تھا۔

حورین کرتے ترے کشتے کی قضا آتی ہے
دامن تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

میر صاحب کا اعتراض تھا کہ دامن تیغ خلاف محاورہ ہے دامن شمشیر چاہیئے۔ شیخ صاحب نے اس محاورہ کی تلاش مین ایرانیون کا کلام چھان ڈالا کہین سند نہ ملی۔

شیخ صاحب اکثر یہ فرمائش میر صاحب سے کیا کرتے تھے کہ حضور میرا دیوان ایک مرتبہ ملاحظہ فرما کر اصلاح سے مزین فرمائین۔ میر صاحب ٹال دیا کرتے تھے اور جب وہ چلے جاتے میر صاحب فرماتے کہ واللہ جو اس کی شاعری کچھ بھی میری سمجھ مین آتی ہو۔ کچھ عجب مہمل کلام ہے مثلاً

غم سے ہوئے ہین بال ہمارے سفید بحر ۔۔۔ سر مین پھپھوندی لگ گئی آنکھون کی سیل سے

سالک

مرزا غالب کے مشہور شاگرد میر قربان علی سالک[1] ۱۸۶۱ء مین لکھنؤ تشریف لائے تھے وہ اپنی بیاض مین تحریر فرماتے ہین

---

[1] خواجہ الطاف حسین حالی نے سالک کا نام ایک قطعہ مین اس طرح لیا ہے سے غالب ہے نہ شیفتہ نہ نیر باقی

وہان بھی ایک رئیس نے میر صاحب کو مخاطب کرنا چاہا اُنھون نے منہ پھیر لیا اور دوسرے شخص سے باتین کرنے لگے کسی نے عرض کی کہ فلان رئیس امیدوار سلام ہے میر صاحب نے دوسری جانب رُخ پھیر کر فرمایا کہان اُس نے رئیس کی طرف اشارہ کر کے کہا اُدھر میر صاحب نے تیسری جانب رخ پھیر کر فرمایا کہان ہین آخر وہ رئیس شرمندہ ہو کر بیٹھ گئے اور میر صاحب مسکراتے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے ۔

حکایت ۱۰۱ — داروغہ اچھے صاحب ایک بزرگ لکھنؤ مین میر صاحب کے شاگرد تھے سال بھر بعد ایک مجلس بڑی دھوم دھام سے کرتے اور تمام رؤسا شہر اور شرفا کو بلاتے تھے اُن کو مرثیہ خوانی کا بڑا دعوے تھا ۔ ایک مرتبہ میر انیس کا نیا مرثیہ پڑھے ۔ میر صاحب بھی موجود تھے داروغہ صاحب نے اپنی دانست مین مرثیہ خوانی کے خوب جوہر دکھائے اور بڑے فخر و مباہات سے مرثیہ تمام کیا جب مجلس ختم ہو گئی میر صاحب نے اپنے ایک حاضر باش سے فرمایا کہ آپ نے داروغہ صاحب کا پڑھنا دیکھا اُنھون نے تعریف کی میر انیس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور بولے تم ایسا کہتے ہو میرے مرثیہ کی ہڈیان پسلیان توڑ دین میرے مضامین پر ظلم کیا میرے قلب پر جو کچھ صدمہ گذرا ہے اُسکو مین ہی خوب جانتا ہون ۔ یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ داروغہ صاحب کی فینس آگئی میر صاحب فرمانے لگے دیکھیے یہان بھی مجھ سے داد لینے آئے ہین لیکن جون ہی داروغہ صاحب فینس سے اُترے میر انیس نے فرمایا کہ "اچھے صاحب آج کی مجلس یادگار پڑھے ہو ۔ مین حیران ہون کہ میرے خیالات شاعری کے لیے تم مین جذبات خوانندگی کہان سے پیدا ہو جاتے ہین ۔ داروغہ صاحب نے تسلیم کی اور بیٹھے ۔ میر انیس نے پھر سلسلۂ تعریف شروع کیا داروغہ صاحب کھڑے ہو گئے اور پھر فرشی سلام کیا ۔ اس ترکیب سے دس پانچ مرتبہ تو داروغہ صاحب کو اُٹھ بیٹھ کرنا پڑی ۔ پھر میر صاحب نے اپنے صاحبزادے کو بلوایا اور اُن سے مخاطب ہو کر تعریف شروع کی کیون خورشید علی تم نے اچھے صاحب کا پڑھنا سنا" صاحبزادے نے بھی

تعریف کی۔ میر صاحب نے فرمایا کہ "خدا جانے آج تک اس مرثیہ کو مین کیا پڑھا اور تم کیا پڑھے۔ مرثیہ کے جوہر تو آج داروغہ صاحب کے پڑھنے سے کھُلے ہین" داروغہ صاحب اس مبالغہ پر پھول گئے۔ اور حقیقت امر کو نہ سمجھے۔

بحر لکھنوی لکھنؤ کے مشہور شاعر شیخ امداد علی بحر میر انیس کی خدمت مین اکثر تشریف لاتے اور اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ ایک روز میر صاحب کے سامنے ایک مطلع پڑھا۔ جس کی مشاعرہ مین بہت تعریف ہوئی تھی اور داد کے امیدوار ہوئے میر صاحب سن کر خاموش ہو گئے۔ شیخ صاحب نے دوبارہ داد چاہی۔ میر صاحب کو ان کی اس حرکت سے غصہ آ گیا۔ فرمایا کہ مین نہین سمجھتا اس مطلع کی تعریف اہل مشاعرہ نے کیا سمجھکر کی اسمین تو ایک ترکیب خلاف محاورہ واقع ہوئی ہے۔ مطلع یہ تھا۔

حور بن کر ترے کشتے کی قضا آتی ہے
دامنِ تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

میر صاحب کا اعتراض تھا کہ دامنِ تیغ خلاف محاورہ ہے دامنِ شمشیر چاہیئے شیخ صاحب نے اس محاورہ کی تلاش مین ایرانیون کا کلام چھان ڈالا کہین سند نہ ملی۔

شیخ صاحب اکثر یہ فرمائش میر صاحب سے کیا کرتے تھے کہ حضور میرا دیوان ایک مرتبہ ملاحظہ فرما کر اصلاح سے مزین فرمائین۔ میر صاحب ٹال دیا کرتے تھے اور جب وہ چلے جاتے میر صاحب فرماتے کہ واللہ جو اس کی شاعری کچھ بھی میری سمجھ مین آتی ہو۔ کچھ عجیب مہمل کلام ہے مثلاً

غم سے ہوئے ہین بال ہمارے سفید بحر
سر مین پھپوندی لگ گئی آنکھون کی سیل سے

سالک مرزا غالب کے مشہور شاگرد میر قربان علی سالک [1] سنہ ۱۸۶۱ء مین لکھنؤ تشریف لائے تھے وہ اپنی بیاض مین تحریر فرماتے ہین

---

[1] خواجہ الطاف حسین حالی نے سالک کا نام ایک قطعہ مین اس طرح لیا ہے ؎ غالب ہے نہ شیفتہ نہ نیر باقی

ہ مین دو مہینے سے لکھنؤ مین وارد ہون۔ دلّی مین مرزا غالب اور استاد ذوق کی چوٹین دیکھتا سنتا تھا مگر یہان میرانیس اور مرزا دبیر کی معرکہ آرائی کا عالم نرالا ہے۔ ایک طرف کا معتقد دوسری طرف والون مین ایسے دیکھا جاتا ہے جیسے موحدین مین مشرک اور مسلمانون مین کافر۔ مین نے اپنے آپ کو میرانیس کے طرفدارون مین رکھا ہے۔ ایک روز میر صاحب سے دلّی کا ذکر آگیا۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب تک اُن کے دل مین دلّی بسی ہوئی ہے۔ اپنی جائے سکونت (سبزی منڈی) کو فرمانے لگے۔ یہ اُسی باغ کا سبزہ زار ہے۔ میرزا غالب کو یگانۂ فن کے لفظ سے یاد کیا اور ذوق و مومن کی نسبت فرمایا کہ ذوق شاہی دربار کے شاعر۔ اور مومن اپنی طبیعت کے بادشاہ ہین۔ پھر حکیم مومن خان کا یہ شعر پڑھا ؎

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے مین بھی زلف اُس کی بنا کی

پڑھنے کے بعد ایک چپ سی لگ گئی۔ جیسے کوئی حسین صورت سامنے ہے اور ہوا سے اُسکی زلف اُڑ رہی ہے اور میر صاحب اُسکو دیکھ دیکھکر ادائے کلام کے مزے لے رہے ہین۔ ایک روز فرمانے لگے دلّی کا کچھ کلام سناؤ مین نے میرزا غالب کی یہ غزل پڑھی۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

پھر اپنی غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

دنیا مین مجھے خاک اُڑانے نے ڈبویا
ہر بار نکل آتا ہے دریا مرے آگے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) وحشت ہے نہ سالک ہے نہ انور باقی + حالی بس اسی کو بزم یاران سمجھو + یارون کے جو کچھ داغ ہین دل پہ باقی +

راقم الحروف کے لڑکپن مین سالک کے اس مطلع کی لکھنؤ مین بہت شہرت تھی ؎

زبان کٹ جائے گر لب سے تمھارا کچھ گلا نکلے مگر یہ تو کہو گا تمکو کیا سمجھے تھے کیا نکلے

اسی شعر پر فرمایا خوب کہا ہے - یہ کہکر فرمانے لگے - لکھنؤ والے رو کے ہے کہتے ہیں کھینچے ہے نہیں بولتے اور ڈبویا بھی انکی زبان پر نہیں مگر میں لکھ جاتا ہوں -

غالب

میرزا غالب ۱۲۴۳ھ میں لکھنؤ میں تشریف لائے بزمانہ نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ کا تھا اس وقت تک میر انیس کی کافی شہرت لکھنؤ میں نہیں تھی وہ میر ضمیر اور شیخ ناسخ سے لکھنؤ میں ملے لیکن انیس سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی - میر صاحب کا ایک مشہور شعر ہے -

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا — برسوں پڑھے تو یاد نہ ہووے سبق مرا

غالب نے اس شعر پر اعتراض[1] کیا کہ کلام ادق سہل ممتنع کا منافی ہے - پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھنا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہو سکتی - کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں - کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یک دیگر ہے ایک انصاف پسند دبیر[2] نے اس اعتراض کا نہایت معقول جواب دیا ہے - وہ فرماتے ہیں میر صاحب کی مراد اس موقع پر کلام ادق سے کلام مغلق نہیں ہے بلکہ ادق کے لغوی معنی لیجیے "بہت باریک کلام" مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کلام جس میں نازک خیالیاں ہیں باایں ہمہ سہل ممتنع ہے - دقیق کلام کی یہ صفت ہے کہ غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئے - جن صاحبوں نے علم معانی و بیان کی کتابوں کی سیر فرمائی ہے ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جو کلام غور و فکر کے بعد سمجھ میں آتا ہے زیادہ لطف دیتا ہے اسکی مثال

---

[1] عود ہندی - رقعہ نمبر ۱۲۷ - خواجہ غلام غوث بے خبر کے نام -

(۲) یہ مصرعہ حیرت آور ہے - کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہے پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہو سکتی - کلام ادق جس کا حفظ دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام سے ہو - ہاں کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں - سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یکدیگر ہے - مغلق اور ادق سہل ممتنع اور سہل ممتنع مغلق اور ادق کیونکر ہو سکے گا اور حافظہ میں محفوظ رہنا کلام ادق اور مغلق کی صفت کیونکر پڑے گی - ہاں مغلق عسیر الفہم ہوگا - پڑھا نہ جائے گا - معنی سمجھ میں نہ آئیں گے - سہل ممتنع کی وہ صفت تھی جو فقیر اوپر لکھ آیا - اس شعر سے مجھکو کچھ علاقہ نہیں -

[2] سید افضل حسین ثابت لکھنوی -

یہ لکھی ہے کہ جو نعمت و دولت کوشش و محنت سے آدمی کو ملتی ہے اُس سے زیادہ مزا آتا ہے پس جس کلام مین نازک خیالات نظم ہون اور آدمی محنت کرکے اُن کے معنی حاصل کرے اُس سے دماغ کو راحت اور روح کو فرحت زیادہ ہوگی۔ دوسرے مصرعہ مین "برسون پڑھے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شاعر میرے طرز خاص مین محنت کرکے برسون کہے جب بھی میرا طرز تصنیف اُس کو نہین آسکتا۔ یہ بھی شاعر کا ایک کمال سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے طرز مین کہنے سے لوگ عاجز ہون"۔

غالب کا مسدس

ایک بار غالب نے بھی تین بند مرثیہ کے کہے وہ اس کوچہ سے ناآشنا تھے اور اس صنف سخن کو فصحائے لکھنؤ حد کمال تک پہونچا چکے تھے۔ تاہم تبرک غالب ہے سنیئے۔

ہان اے نفس باد سحر شعلہ فشان ہو
اے دجلۂ خون چشم ملائک سے روان ہو
اے زمزمۂ قم لب عیسیٰ پہ فغان ہو
اے ماتمیانِ شہِ معصوم کہان ہو

بگڑی ہے بہت بات بنائے نہین بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہین بنتی

تاب سخن و طاقت غوغا نہین ہم کو
ماتم مین شہِ دین کے ہین سودا نہین ہم کو
گھر پھونکنے مین اپنے محابا نہین ہم کو
گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہین ہم کو

یہ خرگہِ نُہ پایہ جو مدت سے بچا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبہ مین سوا ہے

کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے یہان کا
کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زبان کا
کیسا فلک اور مہر جہان تاب کہان کا
ہوگا دل بیتاب کسی سوختہ جان کا

اب مہر مین اور برق مین کچھ فرق نہین ہے
گرتا نہین اس رو سے کہو برق نہین ہے

تعداد مراثی

میر انیس کے مرثیون کی صحیح تعداد کوئی بتا نہین سکتا - مؤلف حیات انیس دس ہزار تحریر فرماتے ہین - لیکن واقعات انیس کے مولف جن کو خاندانِ انیس سے قرابت کا بھی شرف حاصل ہے - فرماتے ہین کہ مرثیون کی تعداد ایک ہزار تک ہے - کہتے ہین کہ میر سلامت علی لکھنؤ مین ایک بزرگ تھے جن کو کلیات انیس جمع کرنے کا شوق تھا - اُنھون نے میر صاحب کا وہ کلام بہم پہونچایا جو خود میر صاحب کے پاس بھی نہ تھا - ایک روز اُن سے میر صاحب نے مسکرا کر دریافت کیا "کیون صاحب میرا کلیات سب آپ نے جمع کر لیا ہوگا" میر سلامت علی نے عرض کی کہ حتی الامکان مین نے کوشش بلیغ کی ہے - میر انیس نے فرمایا "بھلا جناب عون و محمد کے حال کے کتنے مرثیے آپ کے پاس ہین" میر سلامت علی صاحب نے مطلعے پڑھنا شروع کیے دس پندرہ مطلعون کے بعد میر انیس نے فرمایا کہ اچھا اب آپ خاموش رہین مین مطلعے پڑھتا ہون آپ اقرار کرتے جائیے میر انیس نے مطلعے پڑھنا شروع کر دئے میر سلامت علی حیرت سے منہ دیکھتے رہ گئے - وہ کہتے جاتے تھے کہ یہ مرثیے میرے پاس نہین ہین - آخر کار میر صاحب نے مسکرا کر فرمایا بس اِسی تلاش پر تمھین ناز ہے - بھائی کس پھیر مین پڑے ہو واللہ انیس کو خود معلوم نہین کہ اُسکی تصنیف کی حد کیا ہے - مجھے گمان واثق ہے کہ فیض آباد سے لکھنؤ تک میری تصنیف مین عون و محمد کے حال کے مرثیے دو سو سے زیادہ ہونگے"

کثرتِ کلام کا اندازہ اس تاریخی شہادت سے ہو سکتا ہے کہ میر صاحب خود ایک سلام کے مقطع مین فرماتے ہین:-

فیضِ غمِ حسین سے ہوتے ہین اے انیس
ہر سال ایک حال کے دفتر جدا جدا

بہت سے مرثیے ناتمام رہ گئے - اُن کا اب کہین پتا نہین - کلام چھ جلدون مین شائع ہوا ہے لیکن ابھی تک سیکڑون مکمل مرثیے باقی ہین جو طبع نہین ہوئے - ان کے علاوہ بہت سے مرثیے اور سلام ایسے ہین جن پر دوسرون نے تصرف کر لیا ہے - میر مونس اور میر نفیس کے متعدد مرثیے میر انیس کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہین -

انداز ہنگام تصنیف

میر صاحب خلوت خانہ مین تشریف لیجاتے اور اندر سے دروازے کی

زنجیر بند کر لیتے وہان بے تکلف ہو کر بیٹھتے اور دس دس بیس بیس پچاس پچاس بند کہہ ڈالتے جو اُن کے لوح حافظہ پر لکھ جاتے جب باہر تشریف لاتے جو عزیز یا شاگرد سامنے آجاتا اُسے لکھا دیتے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ بستر پر دراز ہو جاتے چادر سر سے پاؤن تک اوڑھکر منہ چادر کے اندر کر لیتے اور ایک ہاتھ خم کر کے اُس کی کلائی آنکھون پر رکھ لیتے اور شغل تصنیف جاری ہو جاتا تھا اس صورت مین بھی کاتب کوئی دوسرا شخص ہوتا تھا۔

میر مونس

میر مونس میر صاحب کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے ایک مرتبہ اُن کی زبان سے نکلا کہ مشاقون کے نزدیک ایک شب مین سو پچاس بند مرثیہ کے کہہ لینا کچھ بڑی بات نہین۔ غمازون نے یہ فقرہ میر انیس کے کان تک پہونچا دیا اور خدا جانے کس عنوان سے بیان کیا کہ میر صاحب کو چھوٹے بھائی کی طرف سے کسی قدر ملال پیدا ہوا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ مین میر مونس نے ایک مجلس کے لیے نیا مرثیہ کہا اور میر صاحب کی خدمت مین بغرض اصلاح حاضر ہوئے۔ اُس وقت میر صاحب دیوان خانہ کے حوض مین غسل فرما رہے تھے۔ گرمی کی فصل تھی اور ارادتمندون کا مجمع تھا۔ میر مونس تسلیم کر کے بیٹھ گئے میر صاحب نے فرمایا اس وقت کہان آئے عرض کی کہ مجلس کا زمانہ قریب ہے اصلاح کے لیے حاضر ہوا ہون۔ میر صاحب مسکرائے اور فرمایا اچھا تم مرثیہ پڑھو مین سنتا ہون۔ میر مونس نے مرثیہ شروع کیا۔ میر انیس غسل کرتے جاتے تھے اور کلائیون کو مل رہے تھے معلوم ہوتا تھا کسی گہرے خیال مین ڈوبے ہوئے ہین۔ پچیس تیس بند سننے کے بعد فرمایا لاؤ مرثیہ مجھے دیدو۔ میر مونس نے ہاتھ بڑھا کر مرثیہ دیدیا۔ میر صاحب نے مرثیہ کو دو تین مرتبہ حوض مین غوطہ دیکر اُسی کے اندر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اس مرثیہ مین کیا ہے جسے اتنی بڑی مجلس مین پڑھنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ کہکر حوض سے باہر تشریف لائے اور زنانے مکان مین چلے گئے۔ میر مونس سکتہ مین بیٹھے رہ گئے۔ کچھ تصنیف کے ضائع ہونے کا ملال اور کچھ بھائی

کی ملامت کا اثر غرض عجب مخمصہ تھا کہ قابل بیان نہین ۔ تھوڑی دیر کے بعد میر صاحب نے بھائی کو بلا بھیجا میر مونس مکان مین تشریف لے گئے دسترخوان بچھا ہوا تھا میر صاحب بھائی کا انتظار کر رہے تھے ۔ میر مونس سے فرمایا مین جانتا ہون مرثیہ کا غم تمھین بہت ہے مگر خیر آؤ کھانا تو کھالو ۔ میر مونس تعمیل حکم مین مصروف ہوے ۔ میر صاحب مسکراتے جاتے اور مونس سے باتین کرتے جاتے تھے ۔ اثنائے گفتگو مین فرمایا بھائی اتنا غم کیون کرتے ہو ۔ ماشاء اللہ جوان آدمی ہو کیا بڑی بات ہے ۔ مجلس کو کئی روز باقی ہین دوسرا مرثیہ کہلو ۔ میر مونس نے عرض کی حضور خوب جانتے ہین مجھ مین اس قدر قوت شاعری نہین ہے ۔ میر انیس نے فرمایا کہ پھر کس بھروسے پر کہا تھا کہ سو پچاس بند ایک رات مین کہ لینا بڑی بات نہین ۔ میر مونس کو اپنا قول یاد آیا نہایت محجوب ہوئے ۔ کھانے سے فراغت کے بعد میر انیس پلنگ پر تشریف لے گئے ایک بھائی اور دو فرزندون کو حکم ہوا کہ پلنگ کے قریب کرسیون پر بیٹھین ۔ کاغذ ہر ایک کے ہاتھ مین دیا گیا اور سلسلۂ تصنیف شروع ہوا ۔ اس طرح جو مرثیہ مرتب ہوا اسکا مطلع ہے :-

مجلس افروز ہے مذکور وفاداریِ حُر

یہ مرصّع مرثیہ اب میر مونس کے نام سے مشہور ہے ۔ ایک بند سننے کے قابل ہے ۔

حُر شب عاشورہ کو طلوعِ سحر کا منتظر ہے خیریت سے صبح ہو تو وہ حضرت امام کے حضور مین جائے ۔

متردّد متفکّر متحیّر بے چین | تھی دعا دل مین بچے فاطمہ کا نور العین
تھرتھراتا تھا سیدانیان کرتی تھین جو بین | طپشِ دل کا تقاضا تھا کہ چل سوئے حسین

صبح اعدا مین نہ شاہ شہدا گھر جائین
شب کو ملجائے جو خورشید تو دن پھر جائین

انیس و نفیس و مونس

ایک مرتبہ میر انیس سے کسی صاحب نے عرض کی آپ کے خاندان مین سب صاحبون نے اپنے اپنے مذاق کے موافق مرثیے کہے ہین

اگر ایک مضمون پر ایک ہی بحر مین تین مرثیے لکھے جائین تو بڑی دلچسپی سے سنے جائین گے چنانچہ وہین یہ بات طے ہوگئی کہ حضرت زینب کے بیٹون کی جنگ کو مع تشبیب صبح ایک بحر مین لکھا جائے اور چند لوازم جمع کیے جائین اُس پر میر نفیس نے یہ مرثیہ لکھا ؎

جب عابدون کو طاعتِ رب مین سحر ہوئی   تیاری نمازِ جماعت اُدھر ہوئی

اور میر مونس نے اس مرثیہ مین اپنی طاقت شاعری صرف کی۔

جب آسمان پہ مہر کا زرین نشان کھلا
پھولی شفق درِ چمنِ آسمان کھلا

اور میر انیس نے یہ مرثیہ کہا۔

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

آخری مرثیہ

یہ صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ اُن کا سب سے آخری مرثیہ کون ہے مگر حسبِ ذیل مرثیہ یقیناً آخری زمانہ کا کلام ہے اگرچہ ممکن ہے کہ وہ سب سے آخری نہ ہو۔ مطلع۔

واحسرتا کہ عہدِ جوانی گذر گیا   ہنگام قوتِ ہمہ دانی گذر گیا
وہ زور شورِ سحر بیانی گذر گیا   اب کیا علاج فرق سے پانی گذر گیا
پھولا ہے باغ بزم مین شیعہ بہم نہین
افسوس مجلسین تو وہی ہین پہ ہم نہین

میر صاحب کا مشہور مرثیہ ع۔ جب آسمان پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب۔ بھی عہد پیری کا کلام ہے۔ مقطع مین فرماتے ہین۔

بس اے انیس ضعف سے لرزان ہے بند بند   عالم مین یادگار رہین گے یہ چند بند
تیکلے قلم سے ضعف مین کیا کیا بلند بند   عالم پسند نقطے ہین سلطان پسند بند
یہ فصل اور بزمِ عزا یادگار ہے   پیری کی طاقتین ہین خزان کی بہار ہے

آخری مجلس

مولانا اشہری نے لکھا ہے کہ میر صاحب نے آخری مجلس ستیش محل واقع لکھنؤ مین پڑھی اور اس مجلس مین جو مرثیہ آخری مرتبہ پڑھا وہ یہ تھا۔

مصرعہ

آتی ہے کس شکوہ سے رن مین خدا کی فوج

لیکن مولف واقعات انیس لکھتے ہین کہ میر صاحب نے آخری مجلس شیخ علی عباس وکیل کے مکان مین پڑھی تھی اور اس کے بعد کہین نہین پڑھے۔اور یہی روایت غالباً زیادہ صحیح ہے

مرض الموت

۲۴۔رمضان سنہ ۱۲۹۱ھ کو میر صاحب تپ اور درد سر مین مبتلا ہوئے اسکے پیشتر اُن کو سوائے ضعف پیری اور کسی مرض کی شکایت نہ تھی تپ رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور چند روز کے بعد ورم جگر کی شکایت لاحق ہوئی لکھنؤ کے مشہور اطبا کا علاج جاری رہا مگر بقول استاد۔

ہر دوا در کار خود بے کار بود　　　ضعف از حب جواہر مے فزود

مرض بڑھتا گیا جون جون دوا کی۔آخر مین اسہال کبدی اور دق کی شکایت ہو گئی بستر مرگ پر میر صاحب نے سخن آفرینی کا خاتمہ کر دیا۔ارشاد ہوتا ہے :۔

رباعی

درد و الم ممات کیونکر گذرے　　　یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیس　　　اب دیکھین لحد کی رات کیونکر گذرے

رباعی

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا　　　کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیس　　　جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

رباعی

آخر ہے حیات کوچ کرتا ہون مین　　　رخصت اے زندگی کہ مرتا ہون مین

اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری اور کے دم اس واسطے بھرتا ہوں مین ۔

شعر ۔

آخر ہے عمر زیست سے اب دل بھی سیر ہے پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

وفات ٢٩ ۔ ذی قعدہ روز دوشنبہ قریب مغرب انتقال فرمایا ۔ جناب غفران مآب کے امام باڑہ مین قبلہ وکعبہ سید بندہ حسین نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی مین دفن ہوئے ۔ جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے ۔ ان کے قدرشناس وحریف مقابل مرزا سلامت علی دبیر نے ایک پر درد ناک تاریخ[1] میر باقر کے امام باڑے کی مجلس مین پڑھی چشم دید شہادت ہے کہ مرزا صاحب تاریخ کے

---

[1] مرزا دبیر کا تاریخی مصرعہ "طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس" لکھنؤ مین بہت مشہور ہے ۔ انیسیون کو اعتراض ہے کہ اس مصرعہ سے سنہ ١٢٩١ھ نہین نکلتے اور وجہ شبہہ کی یہ ہے کہ اس مصرعہ مین بعض کلمات کے اعداد بطور زبر اور بعض کے بطور بینہ لیے جائین تب سن مقصود حاصل ہوتا ہے یعنی "طور سینا" کے اعداد بطور زبر و بینہ لیے جائین اور "بے کلیم اللہ" کے بطور زبر "منبر بے" بطور زبر و بینہ اور انیس کے بطور زبر تو سنہ ١٢٩١ھ حاصل ہو جاتے ہین ۔ دیکھیے ۔

(طور سینا) بقاعدۂ زبر و بینہ	(بے کلیم اللہ) بقاعدۂ زبر	(منبر بے) بقاعدۂ زبر و بینہ	(انیس) بقاعدۂ زبر
طا = ١٠	بے = ١٢	میم = ٩٠	الف = ١
واو = ١٣	کلیم = ١٠٠	نون = ١٠٦	نون = ٥٠
را = ٢٠١	اللہ = ٦٦	با = ٣	ی = ١٠
سین = ١٢٠	و = ٦	را = ٢٠١	س = ٦٠
یا = ١١	١٨٤	با = ٣	١٢١
نون = ١٠٦		یا = ١١	
الف = ١١١		٤١٤	
٥٧٢			

٥٧٢ ١٨٤ ٤١٤ ١٢١ | ١٢٩١ھ

لیکن اس بحث کی ضرورت باقی نہین رہتی جب مرزا دبیر کی پوری تاریخ پڑھی جائے کیونکہ آخری دو اشعار مین اُنھون نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ انیس کے غم مین طبیعت مکدر تھی اسلیے تاریخ ہجری صاف صاف نہین نکلی اسی مصرعہ پر ایک اور مصرعہ ضم کر کے اُنھون نے سنہ عیسوی بے کم و کاست حاصل کیا یعنی ذیل کی پوری شعر سے سنہ ١٨٧٤ع نکلتے ہین شعر

آسمان بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامین طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس =

اشعار پڑھتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ اس تاریخ کے چند شعر یہاں لکھے جاتے ہین

قطعۂ تاریخ

دادخواہم یا غیاث المستغیثین الغیاث ازکہ دل ما توسن گردد بے سخنور بے انیس
عبرۃً للناظرین گردید افلاک و زمین دیدنی نبود مہ و خورشید و اختر بے انیس
وادریغا عینی و دینی دو بازویم شکست بے نظیر[1] اول شدم امسال و آخر بے انیس
یادگار رفتگان ہستیم و مہمان جہان چند روزہ چند ہفتہ بے برادر بے انیس
الوداع اے ذوقِ تصنیف الفراق اے شوق نظم شد حواس خمسہ و دہ عقل ششدر بے انیس
رشک را ربطے بدامن بود لیکن اشک ما رفتہ رفتہ رفت تا دامان محشر بے انیس
تازہ مضمون نظم می فرمود در ہر بحر شعر چشمۂ چشم شود ہم چشم کوثر بے انیس
سال تاریخش بزیر و بینہ شد زیب نظم طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس
در سنینِ عیسوی تاریخ گفتم صاف صاف گرچہ طبعم بود محزون و مکدر بے انیس

آسمان بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامین
طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

میر انیس کی شاعری میر صاحب کی آغاز شہرت سے پہلے "مرثیہ گوئی" درجۂ کمال کو پہونچ چکی تھی۔ قدیم روش ترک ہو کر میر ضمیر کا طرز جدید مقبول ہو چکا تھا۔ چہرہ باندھا جاتا تھا۔ سراپا مین زور طبیعت صرف ہوتا تھا اور رزمیہ مضامین نظم کیے جاتے تھے۔ مرزا دبیر نے شوکت الفاظ اور مضمون آفرینی کے طلسمات سے اس زمین کو آسمان بنا دیا تھا اور عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ ضمیر اور دبیر نے اس صنفِ سخن مین ترقی کی کوئی گنجایش باقی نہین رکھی۔

---

[1] مرزا غلام محمد نظیر حضرت دبیر کے بڑے بھائی تھے۔ ۲۸۔ صفر ۱۲۹۱ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔

دار السلطنت اُس وقت تکلف اور تصنع پر مٹا ہوا تھا۔ رعایت لفظی اور دور از کار صنعتون کی گرم بازاری تھی۔ مرزا بیدل کی معنی آفرینی مرغوب طبائع تھی اور سخن سنج نظم اردو مین وہ صنائع تلاش کرتے تھے جنکی مثالون سے اعجاز خسروی کا دفتر رنگین ہے۔ مرزا دبیر نے اپنی بذلہ سنجی اور بلند پروازی سے مرثیون کو صنائع و بدائع سے مالامال کر رکھا تھا اور لکھنؤ کے بازار مین اسی جنس کی اُس وقت مانگ تھی۔

میر خلیق ایک وقت مین میر ضمیر کے حریف مقابل تھے۔ لیکن اُن کا طرۂ امتیاز محاورہ بندی اور روزمرّہ کی صفائی تھا۔ اور یہ سکّہ اب شہر مین کھوٹا ہوچلا تھا۔ وہان تو نزاکت لفظی اور خیال آفرینی کی تلاش تھی۔ حتیٰ کہ ایک ظریف کے قول کے مطابق بھوک پیاس کی تسکین کے لیے آنسو پینے[له] اور قسمین کھانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

میر انیس نے سلاست زبان۔ صفائی روزمرہ اور خوبی بندش کی نعمتین ورثے مین پائی تھین لیکن اُس "بدمذاقی" کے زمانہ مین یہ اوصاف بقائے دوام کے دربار مین جگہ دلانے کو کافی نہ تھے۔ غور کرنا چاہیے کہ کلام انیس مین وہ کیا خاص وصف تھا جس نے اُن کی شاعری کو دوسرے اساتذہ کے کلام سے ممتاز بنایا اور اُن کے مرثیون کو قبول عام کی سرکار سے غیر فانی کا خطاب دلایا؟

میر صاحب اور اُن کے باکمال ہمعصرون کے سو سو پچاس پچاس مرثیے پڑھے جائین تو معلوم ہوتا ہے کہ قسام ازل نے میر صاحب کی فطرت مین ایک خاص جوہر ودیعت رکھا تھا جو دوسرے شعرا کے یہان کمیاب ہے اور یہی نعمت کے مناسب اور بیجا استعمال نے انیس کو مجلس کمال کا مسند نشین بنایا۔ اس جوہر کا مختصر نام "مصوری" یا "واقعہ نگاری" ہے جس کو لکھنؤ کے عوام ان الفاظ سے تعبیر کرتے تھے کہ "حفظ مراتب جیسا ان کے کلام مین ہوتا ہے وہ انھین کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی "موقع ہو جہان جس کا عبارت ہووے"

[له] نسیم۔ کرتی تھی جو بھوک پیاس بس مین + آنسو پیتی تھی کھا کے قسمین + -

انگلستان کے ایک فلاسفر کا قول ہے کہ شاعری فطرت کی پوشیدہ دلچسپیون کے چہرہ سے نقاب اُٹھا دیتی ہے اور اُس کے اثر سے ہم کو مانوس چیزین انوکھی معلوم ہونے لگتی ہین میر صاحب جس حالت یا جذبہ کو بیان کرتے اُس کی تصویر کھینچ دیتے اور بہت سی چھوٹی چھوٹی باتین جن پر معمولی شاعر کی نظر بھی نہین پہونچتی وہ بغور و تعمق دیکھ لیتے اور اُن کا اظہار ایسی سادہ زبان اور مناسب الفاظ مین کرتے کہ کلام انوکھا معلوم ہوتا تھا اور سہل ممتنع کا خطاب پاتا تھا۔

تصویر کشی کا کمال یہ ہے کہ نقشہ اصل کے مطابق ہو۔لیکن میر صاحب کی کھینچی ہوئی تصویر اصل سے بہتر ہو جاتی تھی مثلاً شبنم کے قطرے دیکھکر انسان کے جذبات پر وہ اثر نہین پڑ سکتا جو اس تصویر سے پڑتا ہے۔

کھا کھا کے اُوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

۔یا کسی کہن سال شجاع کو دیکھکر وہ کیفیت پیدا نہین ہو سکتی جو اس بند سے ہوتی ہے۔

ابرو[۱] جھکے جو پڑتے تھے آنکھون پہ بار بار | رومال پھاڑ کر اُنھین باندھا تھا استوار

آنکھون سے شیر نر کی جلالت تھی آشکار | گویا کہ تھی غلاف مین حیدر کی ذوالفقار

جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے

رعشہ وداع ہو گیا ہاتھون کو چوم کے

۔میر صاحب ایسے نازک معاملات تلاش کرکے لاتے جن کی طرف معمولاً نظر بھی نہین پہونچ سکتی اور پھر اُن کو اس طرح بیان کرتے کہ اُن کا کلام بالکل مقتضائے فطرت کے موافق معلوم ہوتا اگر بہت سے آدمی ایک جگہ پر لاٹھیان یا علم لیے کھڑے ہون تو دور سے دیکھنے والے کو اُن پر

[۱] جناب حبیب ابن مظاہر بہت بوڑھے اور حضرت امام حسینؑ کے رکاب مین پیدل تھے۔

سب جانفشان سوار تھے راہ ثواب مین | پیدل مگر تھے ابن مظاہر رکاب مین =

درختون کے جھنڈ کا شبہہ ہوتا ہے۔ اس نیچرل واقعہ کو یون بیان کرتے ہین۔

(حضرت امام حسین سفر مین ہین اور حُر کا دستہ راستہ روکنے کو آتا ہے)

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر　　جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
اُس شخص سے فرمانے لگے حضرت شبیر　　بتلا سبب اس ذکر کا اے صاحبِ توقیر
کی عرض قریب آکے شہِ عرش نشین کے
وہ نخل نظر آتے ہین کوفہ کی زمین کے

اورون نے یہ کی عرض کہ اے دلبر زہرا　　خرمے کے یہان نخل تو دیکھے نہین اصلا
عباسؑ علمدار نے جب غور سے دیکھا　　کی عرض شہِ دین سے کہ فوج آتی ہے مولا
کیا جانیے انبوہ ہے یا چند نفس ہین
نوکین یہ سنانون کی ہین یا گوشِ فرس ہین

— ہنستی ہوئی آنکھ کی تعریف سب شعرا نے کی ہے لیکن روتی ہوئی آنکھ کی تصویر کھینچنا میر صاحب کا حصہ تھا۔

(سراپائے حضرت علی اکبرؑ)

روئے ہین فرقتِ شہِ عالیجناب مین　　نرگس کے پھول تیر رہے ہین گلاب مین

یہی نرگس کے پھول ایک اور موقع پر قیامت برپا کر دیتے ہین۔ حضرت قاسم اپنی ایک شب کی بیاہی دلھن سے رخصت ہوتے ہین اور اُنکو رونے سے منع کرتے ہین۔

آنکھون پہ ہین ہتھیلیان رقت کا ہے وفور　　نرگس کے پھول ہاتھون سے ملنا یہ کیا ضرور

— اسی مرثیہ مین جب حضرت قاسم کو دُلھن سے بات چیت مین دیر لگتی ہے۔ اور میدان سے مبارز طلبی کی صدا آتی ہے حضرت قاسم کی مان ایک انوکھے طرز سے اپنے صاحبزادہ کو میدان مین جانے کی تاکید کرتی ہین۔

مان نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار　　موقع نہین ہے دیر کا اُٹھو یہان نثار

کیا جانے ہوگا قبر مین کیا حال باپ کا   جی لگ گیا عروس کی باتون مین آپ کا

۔حضرت زینؑ العابدین طوق و زنجیر سے مسلسل کربلا سے روانہ ہوتے ہین انکی تصویر ایسے
دردناک الفاظ مین کھینچی کہ کبھی فراموش نہین ہو سکتی۔

تلوارین لیے چار طرف ظلم کے بانی   حلقے مین دل آزارون کے وہ یوسف ثانی
غربت۔ الم بے پدری۔ تشنہ دہانی   وہ طوق کا لنگر وہ سلاسل کی گرانی
مڑ کر کبھی زینب کے رخ پاک کو دیکھا
بیڑی کبھی دیکھی کبھی افلاک کو دیکھا

۔حضرت علی اکبرؑ جنگ کے لیے اجازت طلب کرتے ہین حضرت شہربانو فرماتی ہین کہ اگر آج
مین اپنے بیٹے کو لڑنے کی اجازت نہ دون تو "اشراف بیویان" یہ طعنہ دینگی کہ

گھر فاطمہ کا اسکی بہو نے ڈبو دیا   فرزند کو بچا لیا وارث کو کھو دیا

۔امام حسین علیہ السلام فاطمہ صغرا کو بوجہ شدت مرض کے مدینہ مین چھوڑنا چاہتے ہین اور کوئی
عزیز۔ بیمار کی سفارش نہین کرتا تو فرماتی ہین۔

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہون جس کا

۔امام حسینؑ حضرت علی اصغر کو خیمہ سے لیکر نکلتے ہین۔

نکلا تھا نہ وہ گھر سے کبھی ہنسلیون ڈالے   دامان عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالے
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ   ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

حضرت علی اکبرؑ نے مان سے اجازت لیکر میدان جنگ مین تشریف لیجانے کا قصد کیا ہے
حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپھی سے بھی اجازت لو اس وقت حضرت زینبؑ فرماتی ہین۔

زینب نے کہا جس مین رضائے شہ عالی   مین نے تو کوئی بات نہین منہ سے نکالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے۔ ان سے تو رضا لی   مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند پھوپھی سوگ نشین ہے
سمجھین تو مراحق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

بچپن مین یہ کاہے کو مری چھاتی پہ سوئے
کب جاگی مین تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہین کی گیسوئے مشکین نہین دھوئے
ان کے لیے کب مین نے پسر ہاتھ سے کھوئے
کیون روتے ہین یہ کس لیے حضرت کو قلق ہے
حقدار مین کاہے کو مرا کون سا حق ہے

- یزید کی بیوی ہند اہل حرم کی زیارت کے لیے قید خانہ مین جانا چاہتی ہے تو کنیزین لطائف الحیل سے مانع آتی ہین -

بڑھکر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیان
بی بی! کوئی اسیرو نہین زندہ ہے یان
چلیے محل مین آپ بھلا جائین گی کہان
قابل نہین حضور کے جانے کے یہ مکان
گر غش ہوئے تو آپ مین آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نہ جائے گا

- جناب امام علیہ السلام کے تمام اعزہ واقربا شہید ہو چکے اس وقت ایک راہ رو اُدھر سے گذرتا ہے اور یہ عبرت انگیز سمان دیکھکر امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت دریافت کرتا ہے جناب داستان مظلومی سناتے ہین لیکن اپنا اسم مبارک ظاہر نہین فرماتے - وہ اظہار اسم اقدس کے لیے پر اصرار کرتا ہے تو حضرت کا جواب اس طرح نظم فرماتے ہین :-

یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون
مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسین ہون

اہل بیت کا یزید کے دربار مین تباہ وخستہ حال حاضر ہونا - واقعہ کربلا کا ایک نہایت دردناک اور عبرتناک ٹکڑا ہے - اس موقع پر مظلومون کی بیکسی اور حاکم وقت کے کفرونفاق کی تصویرین الفاظ مین کھینچی جاتی ہے :-

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
دیکھکر سید سجاد کو بولا وہ شریر

سرکشی کرکے نہ سر بر ہوئے مجھ سے شبیرؑ شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
بیٹھنے کا کوئی دنیا مین سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمھارا نہ رہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبر ہین کہان کیا ہوئے ابن علی۔ حیدر صفدر ہین کہان
قید مین اُنکی بہو آئی ہے شبیر ہین کہان ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہین کہان
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے

شبنم اور سبزہ کی تصویر کا ایک رخ پہلے دکھایا جا چکا ہے دوسرے موقع پر وہی اوس عجیب آفت ڈھاتی ہے :-

چلتی تھی تیز و تند ہوا اُڑ رہی تھی گرد گلشن مین بھر رہی تھی صبا دل سے آہ سرد
رنج و الم سے رنگ گلِ ارغوان تھا زرد چٹکی اگر کلی بھی تو آئی صدائے درد
نرگس تھی غم سے ششدر و حیران کھڑی ہوئی
سبزہ نڈھال اوس گلون پر پڑی ہوئی

حضرت کے چہرۂ پاک پر عرق اس قدر آگیا تھا کہ اُس کی بوندین زمین پر ٹپکتی تھین لہذا ارشاد ہوتا ہے کہ

کثرت عرق کے قطرون کی تھی روئے پاک پر موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

امام حسین علیہ السلام میدانِ جنگ مین بھی رحمت و شفقت ترک نہین فرماتے۔

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ بیٹون سے غلامون کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منھ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

۔ عاشورہ کی حسرت ناک صبح ہے اور رفقاء امام علیہ السلام نماز مین مصروف ہوتے ہین۔

نکلے حرم سے کرکے تیمم امامِ پاک
سجادے سب نے لاکے بچھائے بروئے خاک
اکبرؑ نے دی اذان جو بآوازِ دردناک
آنسو بھر آئے ہوگئے دل غم سے چاک چاک
آگے سبھون کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفین جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفین تھین کہ قرآن کھلا ہوا
بسم اللہ آگے جیسے ہو یون تھا وہ مقتدا
اور مقتدی تھے سب عقبِ شاہِ کربلا
مصحف کی جس طرح سے ہون سطرین جدا جدا
جیسا امام ویسی ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال
جھک جاتے تھے رکوع مین گاہے بشکلِ دال
خم ہوگئے سجود مین گہ صورتِ ہلال
پیشانیون سے صاف عیان نورِ ذوالجلال
حق سے دعا قنوت مین کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

وہ چاند سے سفید عمامے رخون پہ نور
دیکھے سے جنکے سیر کبھی ہو نہ چشم حور
دیندار وحق پرست و دل آگاہ و باشعور
کرین کسے جہاد پہ راحت دلون سے دور
لب پر درود اشکون سے آنکھین بھری ہوئی
تلوارین سجدہ گاہون کے آگے دھری ہوئی

۔ حضرت امام کے جلوس سواری کی تصویر ایک بند مین اس طرح بیان ہوتی ہے۔

جاتی تھی یون سواری سلطان بحر و بر
انجم کی فوج لیکے چلے جس طرح قمر
کھولے علم کو حضرتِ عباسؑ نامور
گھوڑون پہ قاسمؑ و علی اکبرؑ ادھر ادھر
مرکب پہ بیچ مین خلفِ بوتراب سے

دو چودھوین کے چاند ہین اک آفتاب ہے

۔حضرت زینبؑ کے صاحبزادے شہید ہو چکے ۔اندیشہ ہے کہ اب حضرت علی اکبرؑ میدانِ جنگ کے لیے اذن طلب کرین گے اُس وقت حضرت قاسمؑ کی والدہ فرماتی ہین ۔

اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤنگی

مین فاطمہ کو حشر مین کیا منھ دکھاؤنگی

حضرت علی اکبرؑ پھوپھی سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہین اور دفع دخل کے طور پر کہتے ہین کہ باغ جوانی کوئی رائگان نہین کرتا ۔اگر کوئی پیر گلشن جہان سے چھٹے تو وہ بھی افسوس کی بات ہے ۔

لیکن جہان سے آج گذرنا ہی خوب ہے ؎ عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے

حضرت علی اکبرؑ کو سر کٹانے کی مان نے اجازت دی تو جناب امامؑ حضرت شہربانو کے صبر و رضا کی تعریف کر کے ارشاد فرماتے ہین

آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گذرنا ؎ انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا

برسون سے یہی رنگ گلستان جہان ہے ؎ جس گل پہ بہار آج ہے کل اُسپہ خزان ہے

آرام جسے دیتے ہین چھاتی پہ سُلا کر ؎ رکھ آتے ہین ہاتھون سے اُسے قبر مین جا کر

مٹی سے بچاتے ہین سدا جسکا تن پاک ؎ اُس گل پہ گرا دیتے ہین بس سیکڑون من خاک

مادر جسے عریان نہین کرتی تہ افلاک ؎ وہ قبر مین سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک

غربت مین کوئی پوچھنے والا نہین ہوتا

شمعین بھی جلاؤ تو اُجالا نہین ہوتا

۔حضرت علی اکبرؑ شہید ہوئے تو جناب امامؑ کے قلق و صدمہ کی تصویر ایسے الفاظ مین کھینچی ہے کہ جواب نہین ہو سکتا ۔

جب برچھی کھا کے گم ہوا اکبر سا نونہال ؎ فرزند فاطمہؑ کا کہون کس زبان سے حال

لرزہ تھا جسم پاک مین خورشید کی مثال　　　چلاتے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال

تھامے ہوئے کلیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکرین کھا کھا کے گرتے تھے

آنکھون مین اشک لب پہ فغان اور دل مین درد　　　ہاتھون مین رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد

صدمے سے ہاتھ پاؤن کبھی گرم گاہ سرد　　　مثل کمان خمیدہ کمر گیسوون پہ گرد

دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

۔ حضرت عباسؑ نہر کے پاس پہونچتے ہین ۔ کئی دن کا پیاسا گھوڑا پانی دیکھکر بیتاب ہوتا ہے حضرت عباسؑ اس کو پانی پینے سے روکتے ہین ۔ اس کشمکش کے موقع پہ گھوڑے کی اضطرابی حالت یون بیان ہوتی ہے :۔

دو دن سے بے زبان پہ جو تھا آب و دانہ بند　　　دریا کو نہا کے لگا دیکھنے سمند

ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند　　　چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

۔ رفقائے امام علیہ السلام صف نماز سے لڑائی کے لیے اٹھتے ہین ۔

تیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوے　　　تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اٹھ کھڑے ہوے

۔ بالی سکینہ ۔ فاقون سے کمزور سکینہ دمشق کے قید خانہ کے دربانون سے اپنا حال زار کہنے جاتی ہین :۔

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر　　　دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریب در

بیٹھ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر　　　دربانو! جاگتے ہو کہ سوتے ہوئے بے خبر

بیکس ہون تشنہ لب ہون فلک کی ستائی ہون

کچھ تم سے اپنا حال مین کہنے کو آئی ہون

جب دربان بھی حضرت امامؑ کا مفصل احوال نہین تبلاتے اور خون مین ڈوبا ہوا خنجر دکھلاتے ہین تو سکینہ اپنی مان سے شکایت کرتی ہین ۔

کہتے ہین باپ کو پوچھا تو تجھے مارین گے　　کیا مین بن باپ کی ہون یہ جو مجھے مارین گے

۔ اصغر شیرخوار کی لاش دفن کر کے حضرت امامؑ زمین قبر سے خطاب کرتے ہین : ۔

پہلے پہل چھٹا ہے یہ مان کے کنار سے　　واقف نہین ہے گور کی شبہائے تار سے

اے قبر ہوشیار مرے گل عذار سے　　گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے

سید ہے لال حضرت خیر النسا کا ہے

معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

۔ ابنائے زمانہ کی شکایت ۔

ہردم رہے انیس زبان پر خدا خدا　　بحر جہان مین کون کسی کا ہے آشنا

دلداری و محبت و دلجوئی و وفا　　معدوم ہین بصورت عنقا و کیمیا

گستاخ ہو کے عرض کیا ہے معاف ہو

ہم نے تو ایک دل بھی نہ پایا جو صاف ہو

۔ حضرت مسلمؑ کوفہ مین شہید ہوئے ۔ اُن کے بچون کی تباہی اور اسیری کی داستان ایسے دردناک الفاظ مین بیان فرمائی ہے کہ واقعہ نگاری کا خاتمہ کر دیا ۔ میر صاحب کا اصلی جوہر اسی قسم کے کلام مین ظاہر ہوتا ہے ۔ لہذا یہین کسی قدر تفصیل سے نقل کیا جاتا ہے ۔ یہ اقتباس اُس مرثیہ سے ہے جسکا مطلع ہے : ۔

ہوتے ہین بہت رنج مسافر کو سفر مین

راحت نہین ملتی کوئی دم آٹھ پہر مین

یہ کلام میر صاحب کی متوسط عمر کا ہے ۔

جب قتل ہوا ایلچیِ سیّدِ والا بچون پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
کوئی نہ یتیمون کا رہا پوچھنے والا تھے ننھے سے سینون مین کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منھ گردِ یتیمی سے اٹے تھے

پردیس مین معصومون کا دشمن تھا زمانہ نہ بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روز سے کھایا نہ تھا کھانا تقدیر مین غم کھانا تھا یا اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس مین یہی کہتے تھے رو کر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

پاس اُن کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے ہم بنتے نشانہ جو لعین تیر لگاتے
پانی تو بھلا منھ مین دمِ مرگ چُواتے کاندھون پہ سر باپ کے لاشے کو اٹھاتے
کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہین
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہین

مظلوم کی تربت کا پتا اب بھی جو پائین رخصت کے لیے قبر پہ روتے ہوئے جائین
تعویذِ مزارِ پدر آنکھون سے لگائین سر پیٹ کے فریاد کرین اشک بہائین
پالا تھا ہمین باپ نے چھاتی پہ سُلا کر
قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

اک ایک لعین کوفہ مین دشمن ہے ہمارا اک دوست تھا بانی سو وہ دنیا سے سدھارا
بیٹھین کہین چھپ کر نہین اتنا بھی سہارا غربت مین ہمین باپ کے مرجانے نے مارا
اک دم مین یقین ہے کہ تہِ تیغ یہ سر ہین
جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو پسر ہین

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجرِ پدر مین تصویرِ اجل پھرتی تھی دونون کی نظر مین

تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گذر مین   بیٹون کو نہ مسلمؑ کے چھپا لے کوئی گھر مین
بتلا دے کسی حجرے مین گر بند ہین دونون
حاکم کے گنہگار کے فرزند ہین دونون

معصوم سمجھ کر کوئی رحم اُنپہ نہ کھائے   ہاتھ آئین تو پکڑے ہوئے دربار مین لائے
مجرم کی کوئی منت و زاری پہ نہ جائے   دانا ہے وہ جو گوہر عزت کو بچائے
جس نے اُنھین پنہان کیا گھر اُس کا لُٹے گا
مر جائے گا پر قید سے زندہ نہ چھٹے گا

تھرّاتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور   تھے شہر کے دروازے سر شام سے معمور
دشمن جو علیؑ کے تھے وہ تھے خرّم و مسرور   جو دوست تھے حیدر کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتین اُنھین معصومون کی ہوتی تھین گھر گھر
منھ ڈھانپے ہوے بیبیان روتی تھین گھر گھر

کہتی تھی کوئی کیا کرین کیونکر اُنھین پائین   جاسوسون کا خطرہ ہے کہان ڈھونڈھنے جائین
جلّادون سے چھپ کر وہ اگر یان چلے آئین   ہم دل کی طرح اُن کو کلیجون مین چھپائین
آقا ہین وہ اُسکے جو غلام شہ دین ہے
ہم لونڈیان حاضر ہین جو مان سر پہ نہین ہے

کیا روز سیہ چرخ نے بچون کو دکھایا   ہے ہے نہ چچا سر پہ نہ ہے باپ کا سایا
سات آٹھ برس کا تو سن اور دیس پرایا   جانین نہ بچین گی کسی دشمن نے جو پایا
کچھ بس نہین کس طرح کوئی آہ بچائے
بچّو تمھین پردیس مین اللہ بچائے

شیعون کے گھرون مین تو یہ تھی گریہ و زاری   اور ڈھونڈتے پھرتے تھے اُنھین کوفہ مین ناری
کے یہ لعین کہہ گئے اکر کئی باری   ہشیار خبردار اگر جان ہے پیاری

احکام مین حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے
دو طفل حسین بھاگے ہین کل قاضی کے گھر سے   کر لیجو گرفتار جو آنکلین ادھر سے
خورشید سے ماتھے ہین تو چہرے ہین قمر سے   چھوٹے سے عمامے ہین لپیٹے ہوے سر سے
گوندھی ہوئی زلفین یہ سر دوش پڑی ہین
آنکھین کہین آہو کی بھی آنکھون سے بڑی ہین
ہر ناکے پہ تھا حکم یہ اُن دونون کی خاطر   دربار مین غل تھا کہ کرو جلد اُنھین حاضر
اور پھرتے تھے حیران وہ مدینہ کے مسافر   کوئی نہ مددگار نہ تھا حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونون
پتّا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونون
ناکے تلک آپہونچے نہ تھے وہ جگر افگار   جو دیکھ لیا اُن کو کسی شخص نے اک بار
چلّایا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار   جاتے ہو کہان بھاگے ہم آپہونچے خبردار
سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونون
سر تا بقدم بید سے تھرّا گئے دونون
بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کرین بھائی   اعدا ہمین لینے نہین آئے ۔ اجل آئی
افسوس کہین امن کی جا ہم نے نہ پائی   مشکل ہے بہت موت کے پنجہ سے رہائی
آتے ہی بس اب برچھیان تانین گے ستمگر
منّت بھی کرین گے تو نہ مانین گے ستمگر
یہ کہتے تھے جو آن ہی پہونچے وہ جفا جو   اور باندھ لیے رسّی سے اُن دونون کے بازو
بچون پہ اُٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بدخو   کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچے ہوے گیسو
وہ کہتے تھے ہم دام بلا مین تو پھنسے ہین

بازو کہو پھر کس لیے رسّی سے کسے ہین

جاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤن والے بازار مین بیتاب تھے سب دیکھنے والے
جلّادون مین معصومون کے تھے جان کے لالے تکتے تھے ہر اک کو کہ ہمین کوئی چھڑا لے
حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو
رسّی مین بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو

پہونچے اُنھین لیکر جو وہ ظالم سرِ دربار خدّام نے کی عرض کہ حاضر ہین گنہگار
تھا تخت مرصّع پہ مکین حاکمِ غدّار دہشت سے لرزنے لگے بچون کے تنِ زار
بیٹھے ہوے وان کرسیون پر چھوٹے بڑے تھے
رسّی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

معصومون سے یون کہنے لگا حاکمِ ملعون اس بھاگنے کی تمکو کہو کیا مین سزا دون
صدمہ سے یتیمون کا ہوا حال دگرگون تھرّا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محزون
ہان قتل ہی کرنے کے سزاوار ہین ہم بھی
بابا تھے گنہگار ہین ہم بھی

بولا کوئی معصوم ہین یہ بیکس و دلگیر دہشت کے سبب کانپتے ہین رنگ ہین تغییر
یہ پھول سے اندام نہین لائقِ تعزیر نادان ہین کمسن ہین کچھ انکی نہین تقصیر
طاقت ہے کہان بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
بھولے ہین بہت ڈھونڈھتے ہونگے پدر کو

چپ رہگیا وہ دشمنِ دین سر کو جھکا کر زندان کے نگہبان سے کہا پاس بلا کر
کر قید انھین حجرۂ تاریک مین جا کر سنیو نہ جو منت بھی کرین اشک بہا کر
آرام سے دو تون مین کوئی سونے نہ پائے
قفلِ درِ زندان کبھی وا ہونے نہ پائے

دیکھو نہ خبردار مزے کا انھیں کھانا   گرمی میں بھی ٹھنڈا نہ انھیں پانی پلانا
یہ سحر بیان ہیں کہیں باتوں پہ نہ جانا   بازو نہ کھلیں رسّی سے جب تک ہیں توانا
دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجو
کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجو

یہ سن کے اُنھیں لیگیا زندان کا نگہبان   اک حجرے میں قیدی ہوے دونوں مہِ تابان
گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلّائے وہ نادان   درکھول دو ویلٰہ نہیں تن سے چلی جان
بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
اک طوق جو ہلکا ہو تو دو طوق پہنا دو

دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد   مادر کو بھی چلّائے پدر کو بھی کیا یاد
بچوں کی کسی نے نہ سنی زاری و فریاد   کب کھولتے ہیں طائرِ پربند کو صیاد
بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوس میں
جوں تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس میں

تاریک وہ حجرہ تھا مثالِ شبِ ظلمات   معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات
مرقد کے اندھیرے کو بھی اُس گھر نے کیا مات   سہمے ہوے روتے تھے وہ آنکھوں پہ دھرے ہات
تھی پیشِ نظر وصل میں تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

فاقے میں بسر کرتے تھے دن بھر وہ گل اندام   جو مالکِ زندان تھا وہ آتا تھا سرِ شام
جا بیٹھتے دروازہ کے نزدیک وہ گلفام   دیتا اُنھیں دو روٹیاں اور پانی کے دو جام
تھا خوف زبس ظالمِ ناظلم کے غضب سے
اُٹھ اُٹھ کے سلام اُسکو وہ کرتے تھے ادب سے
کھانا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے وہ پالے   رو دیتے تھے جب حلق میں پھنستے تھے نوالے

آپس مین یہی کہتے تھے وہ گیسوون والے   قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
پانی بھی تو جی بھر کے نہین ملتا ہے بھائی
یہ سخت ہے روٹی کہ گلا چھلتا ہے بھائی

سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر   جا گہ نہین شکوے کی کرو صبر برادر
دیکھو تو کہ سر پر ہے پدر اور نہ مادر   تھوڑا ہے کہ یہ بھی ہمین ہوتا ہے میسّر
نعمت سے زیادہ ہمین یہ نانِ جوین ہے
منھ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہین ہے

ایسے بھی بہت ہین جنھین ملتا نہین دانا   پینے کو جو پانی ہو تو ملتا نہین کھانا
بھائی ہے خدا مالک و مختار و توانا   کچھ ایک سا رہتا نہین دنیا مین زمانا
موت آئی تو اس قید مین مر جائینگے بھائی
جیتے ہین تو یہ دن بھی گذر جائین گے بھائی

رزاقیِ معبودِ حقیقی پہ کرو غور   اس قید مین تھا رزق پہونچنے کا کوئی طور
دینداری سے جو دور ہین اُن لوگون کا ہے دَور   ہم اور مکان اور زمین اور ہوا اور
ہین قید مین جسکی وہی دیتا ہے کھانا
ہر طرح خدا بندے کو پہونچاتا ہے کھانا

زندان مین بھی بھوکا نہ کبھی ہمکو سلایا   دن بھر جو میسّر نہ ہوا رات کو کھایا
خاصانِ خدا نے بھی سدا رنج اُٹھایا   دکھ فاقہ کشی کا تو ہے میراث مین آیا
عسرت رہی دنیا مین شہِ عقدہ کشا کو
فاقے تو گذر جاتے تھے محبوبِ خدا کو

یہ قید کے دن شکرِ الٰہی مین گذارو   جو مرضیِ معبود ہے دم اس مین نہ مارو
صابر رہو شاکر رہو ہمت کو نہ ہارو   روٹی جو پھنسے پانی کے گھونٹون سے اُتارو

رزّاقِ دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
گر صبر کی لذت ہو تو نعمت اسے سمجھو

تقلیل غذا قید کا دکھ باپ کا ماتم   گھل گھل کے برسون مین عجب ہوگیا عالم
چھوٹا بھی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم   فریاد رسی کون کرے کس سے کہین ہم
افسوس یونہی عمر چلی جاتی ہے بھائی
نہ قید سے چھٹتے ہین نہ موت آتی ہے بھائی

پہونچا دیا اس غم نے ہمین گور کنارے   مٹی نہ وطن کی تھی نصیبون مین ہمارے
جیتے ہین مگر موت کے آثار ہین سارے   مرجائین تو مرقد مین ہمین کون اُتارے
ہم سا بھی کوئی بیکس و مظلوم نہوگا
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہوگا

کس طرح کہین بھول گئی ہوئینگی مادر   سب بیٹون سے اپنے اُنھین الفت ہے برابر
کیا جانے کس آفت مین ہے فرزندِ پیمبر   وہ قید سے غیرون کو چھڑا دیتے ہین اکثر
سنتے تو مدد آن کے بھائی کی نہ کرتے
تدبیر وہ بچون کی رہائی کی نہ کرتے

یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفلِ درِ زندان   اور دینے لگا آب و غذا اُن کو نگہبان
چھوٹے نے کھڑے ہو کے کہا باتِ لرزان   ہم تجھکو دعا دیتے ہین اے مردِ مسلمان
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہین ہم
کچھ حال جو سنیے تو کہا چاہتے ہین ہم

جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا   جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکون سے بجھایا   شکوے کا مگر حرف زبان پر نہین آیا
واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہین مانگا

سونے کے لیے رات کو بستر نہین مانگا

گذرا ہے برس روز ہمین خاک پہ سوتے	پانی نہ ملا اتنا کہ کر تون کو تو دھوتے
چلّا کے ترے ڈر سے نہین رات کو روتے	قیدی چھٹے اکثر یہ رہا ہم نہین ہوتے

ہم سے ترا سردار عبث برسر کین ہے
کچھ جرم نہین ہے کوئی تقصیر نہین ہے

تو رحم کر اے شخص کہ بے جرم و خطا ہین	وارث کوئی سر پر نہین پابندِ بلا ہین
لڑکے ہین ستم کش ہین غریب الغربا ہین	احسان کو نہ بھولین گے کہ ہم اہلِ وفا ہین

اب قید کی تکلیف اُٹھائی نہین جاتی
روٹی بھی کئی روز سے کھائی نہین جاتی

رکھتا ہے بڑا اجر اسیرون کو چھڑانا	بھوکون کو طلب کر کے سخی دیتے ہین کھانا
رہجاتا ہے عالم مین کریمون کا فسانا	نیکی جو کرے نیک اُسے کہتا ہے زمانا

محتاج ہین یان اور تو کیا دیوین گے تجھکو
کام آج جو ہمارے تو دعا دیوین گے تجھکو

دونون نے فصاحت سے سخن جب یہ سنائے	زندان کے نگہبان کے بھی آنسو نکل آئے
ہاتھ اُسکی دعا کے لیے دونون نے اُٹھائے	پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ لائے

کچھ رتبۂ محبوبِ خدا جانتا ہے تو
اے شخص محمد کو بھی پہچانتا ہے تو

وہ کہنے لگا اُن سے مین کیونکر نہین آگاہ	مختارِ جہان ختم رسل سیدِ ذی جاہ
لڑکون نے کہا حیدر صفدر سے بھی ہے راہ	بولا مری تسبیح ہے نامِ اسد اللہ

نائب ہے مددگار ہے یاور ہے نبی کا
حیدر تو چچازاد برادر ہے نبی کا

یہ سنتے ہی جان آگئی ان دونون کے تن مین — کم ہو گیا دہشت سے جو لرزہ تھا بدن مین
خشکیدہ زبان کرنے لگی شکر دہن مین — گویا کہ بہار آگئی ہستی کے چمن مین
چہرے سے خوشی ہو کے وہ منہ موڑ نکل آئے
اک بھائی ہنسا ایک کے آنسو نکل آئے

بولے کہ ہم اے شخص محمدؐ کے جگر ہین — جھوٹے نہین دریاے صداقت کے گہر ہین
جو قتل ہوئے یان وہ ہمارے ہی پدر ہین — واللہ ہمین مسلم بیکس کے پسر ہین
تو کہتا ہے احمدؐ کو پیمبر ہے ہمارا
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا

یہ سنتے ہی تھرا گیا وہ مرد خوش اطوار — معصومون کے قدمون پہ گرا دوڑ کے اک بار
کہتا تھا مین اس حال سے واقف نہ تھا زنہار — بخشو مجھے مین نے تمہین گھڑکا تھا کئی بار
جو آپ کے لایق تھا وہ لایا نہین کھانا
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہین کھانا

مین تم پہ فدا اے اسد اللہ کے پیارو — کرتے مین نئے لاؤن یہ ملبوس اتارو
بندہ مین تمہارا ہون مجھے قدمون پہ وارو — لو زاد سفر مجھ سے جدھر چاہو سدھارو
شکوہ مرا اللہ و پیمبر سے نہ کیجو
جنت مین شکایت مری حیدر سے نہ کیجو

قدمون سے اٹھا کر وہ سخن لب پہ یہ لائے — تو خالق اکبر سے جزا حشر مین پائے
دنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے — حامی ہون تری فاطمہؑ جب حشر مین جائے
واقف نہین ہم راہ بتا دے تو روان ہون
بھائی ترے بچے ترے سایہ مین جوان ہون

دینے لگا رو کر انھین وہ درہم و دینار — شرما کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار

احسان یہ ترا تھوڑا ہے اے مرد خوش اطوار　　توشہ ہے توکل ہمین کچھ بھی نہین درکار
بتلا دے پتہ ہم کو جگر بند نبی کا
لشکر ہے کہان سبط رسول عربی کا

کعبے سے ادھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے　　یا ان سے ہم قید ہوئے وہ گئے مارے
ساتھ اُنکے تھے سب حیدر کرّار کے پیارے　　سمجھے مین ابھی ہین کہین دور سدھارے
کے راتین ہمین کاٹنی ہو ونگی وطن تک
کے روز مین پہونچین گے شہنشاہ زمن تک

حضرت کی خبر کچھ جو سنی ہو تو سنا دے　　جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہمکو بتا دے
جس سمت چچا ہون اُسی رستے پہ لگا دے　　کیا دور ہے خالق ہمین بچھڑون سے ملا دے
مطلوب زیارت ہے ہمین شاہ زمن کی
کعبے کی طرف جائین کہ لین راہ وطن کی

چاہا بہت اُس نے کہ یہ بچون سے چھپائے　　مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ یہ لائے　　کیون خیر تو ہے آنکھون سے کیون اشک بہائے
وہ کہنے لگا بے کس و مجبور ہین شبیرؑ
تم جا نہین سکتے کہ بہت دور ہین شبیرؑ

جب رونے لگے وہ تو کچھ اُس کو نہ بن آیا　　سر پیٹ کے ہاتھون سے یہ بچون کو سنایا
دنیا مین کہان ہے اسد اللہ کا جایا　　گھر فاطمہؑ کا خاک مین اعدا نے ملایا
شبیرؑ کے لشکر کا جوان کوئی نہین ہے
عابد کے سوا فاتحہ خوان کوئی نہین ہے

عاشور کے دن ذبح ہوئے سبط پیمبر　　خیمے بھی جلائے گئے تاراج ہوا گھر
رانڈون کا ستمگارون نے لوٹا زر و زیور　　افسوس کہ زینب کی بھی چھینی گئی چادر

دیکھا حرمِ شاہ نے دربارِ شقی کا
کوفہ مین سر آیا تھا حسینؑ ابن علیؑ کا

دنیا مین نہ اکبرؑ ہین نہ عباسؑ نہ شبیرؑ سب چھوٹے بڑے ہوگئے زیرِ دمِ شمشیر
یان تک کہ ہوے قتل علی اصغرؑ بے شیر مٹی مین نہان ہوگئی ایک ایک کی تصویر
کیونکر اسدؑ اللہ کے پیارون سے ملوگے
اب جا کے ملوگے تو مزارون سے ملوگے

یہ سنتے ہی معصومون پہ رقت ہوئی طاری تڑپے یہ زمین پر کہ غش آیا کئی باری
گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریۂ و زاری دشمن کوئی سُن لیوے نہ آواز تمھاری
ظالم ہے وہ حاکم سے نہین زور کسی کا
یان ڈھونڈھ کے خون کرتے ہین فرزند علیؑ کا

گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہین تاخیر بہتر ہے اسی شب مین نکل جانے کی تدبیر
جلدی سے اُٹھے وان سے وہ باحالتِ تغییر باندھین کمرین اور وہ بچے ہوئے رہ گیر
یون نکلے بہ تعجیل اسیری کے مِحَن سے
جس طرح گریزان ہو قمر چھُٹ کے گہن سے

وہ شہر پُر آشوب وہ غربت وہ شبِ تار ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
"ہان جاگتے رہیو" یہ عسس کہتے تھے ہر بار دل اُنکے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تنِ زار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گہ بڑھتے تھے دونون
ڈر ڈر کے کبھی نادِ علی پڑھتے تھے دونون

پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی اب تو ہمین نیند آتی ہے ٹھہرو کہین بھائی
کہتا تھا بڑا ہین ابھی دن سخت ہمارے

سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے

دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اُٹھاتے سہمے ہوئے مُڑ مُڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
چڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

لب پر نفسِ سرد۔ بھرے آنکھوں میں آنسو غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گلرو
تھا ہاتھ میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آ کے جفا جو
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونوں
گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے دونوں

ایک پیرزن اتنے میں نظر آ گئی ناگاہ داماد کے آنے کی کھڑی دیکھتی تھی راہ
یوں کہنے لگے اُس سے بصد عجز وہ ذی جاہ اک رات اس گھر میں اماں دے ہمیں للہ
معصوم ہیں ہم بے وطن و زار و حزیں ہیں
مظلوم ہیں سیّد ہیں گنہگار نہیں ہیں

اس بستی میں دیندار نظر آئے ہمیں تو وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گل رو
تم سے تو عجب طرح کی آئی مجھے خوشبو کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
رکھتے ہیں قرابت تو رسول عربی سے
مسلم کے پسر ہیں ہمیں کہیو نہ کسی سے

وہ بولی کہ آنکھوں پہ رکھوں تم کو میں دن رات پر صاحبِ خانہ ہے بڑا فاسق و بدذات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمنِ سادات گر دیکھ لیا اُس نے تو بننے کی نہیں بات
لونڈی ہوں میں زہرا کی تمھارا ہی یہ گھر ہے
گر ہے تو اسی ظالم بدذات کا ڈر ہے

وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی   واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہے کالی
درکار ہے نہ فرش نہ تکیہ نہ نہالی   تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ جو ہو خالی
بن باپ کے ہیں ہم یہ مصیبت یہ نئی ہے
شاید وہ نہ آئے کہ بہت رات گئی ہے

دونوں نے یہ منّت جو کہا اُس سے بہ رُورو   تھی مومنہ۔ معصوموں پہ رحم آگیا اسکو
کہنے لگی میں تمکو چھپا رکھوں گی کچھ ہو   میں صدقے گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
مہمان ہوئے جا کر ستم ایجاد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلّاد کے گھر میں

جنگ کربلا کا سب سے زیادہ درد انگیز سین وہ ہے کہ حضرت امام اپنے شش ماہہ بچہ کو جو پیاس سے نیم جان ہو رہا تھا خیمہ سے لاتے ہیں اور اتمام حجت کے لیے دشمنوں سے پانی طلب کرتے ہیں۔ اس واقعہ کو مرزا دبیر نے بھی نہایت بلاغت سے بیان فرمایا ہے مگر میر صاحب کی زبان میں لطافت ہی اور ہے۔

شہادت حضرت علی اصغرؑ

بچے کو لیے گھر سے جو نکلے شہ والا ۱   تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا   دامان عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں ستمگر ۲   یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لیے ہیں شہ صفدر
بولا کوئی ہے زیر عبا مصحف داور   تا صلح کریں ہم سے اُسے بیچ میں دیکر
معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شبیرؑ
قرآن کو شفاعت کے لیے لاتے ہیں شبیرؑ

بولا کوئی بیدرد نہین یہ نہین اصلا ۳ ہے صابر و شاکر پسر حضرت زہراؑ
سادات پہ اس دشت مین ہے تیسرا فاقا بیجان ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچا
اشک آنکھون مین ہین چاک گریبان کیے ہین
میّت کسی معصوم کی شبیرؑ لیے ہین

سنکر یہ کلام اُن کا پکارے شہ عادل ۴ تم تو نہ محمدؐ کے نہ قرآن کے ہو قائل.
میّت ہے نہ قرآن ہے یہ فرقۂ جاہل! یہ مصحف ناطق کے گلے کی ہے حمائل
دیکھو مری مظلومی و اندوہ و قلق کو
لے آیا ہون زہراؑ کے صحیفے کے ورق کو

یہ چھوٹا سا سید بھی ہے مہمان تمھارا ۵ کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس نے مارا
یہ فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا میرا بھی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا
کچھ پانی کے بدلے تمھین لینا ہو تو کہدو
دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہدو

طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے ۶ قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے
پانی دو اسے خلد مین گھر لیجیو مجھ سے خالی ہو اگر نہر تو بھر لیجیو مجھ سے
معصوم ہے بے آب کبھی جی نہ سکے گا
اک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا

مارا جنھین برچھی سے انھین کا ہے یہ بھائی ۷ اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی
یہ لال ہے میرا چھ مہینے کی کمائی مرجائیگی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی
بہنون کی یہ ہے جان تو پھپیون کا جگر ہے
مرجانے مین اسکے کئی جانون کا ضرر ہے

مین یہ نہین کہتا ہون کہ پانی مجھے لادو ۸ خود تم ہی اسے آن کے چلو سے پلادو

مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو   للہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو
جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اُٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

بجھتی نہین جب آگ کلیجے مین لگی ہو ۹ جانے وہی - اولاد خدا نے جسے دی ہو
سوچے وہ قضا جسکے جگربند نے کی ہو   انصاف کرے دل پہ چھُری جسکے چلی ہو
غمگین ہو تو سوزِ نفسِ سرد کو سمجھے
جس دل مین نہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے ۱۰ بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے   اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
ایک یادِ الٰہی تو فراموش نہین ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہین ہے

مین خوب سمجھتا ہون کہ ہو ظلم کے بانی ۱۱ یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہون پانی
جان اپنی مین دیتا ہون جو بچ جائے یہ جانی   مر جاؤن مین پر اسکی مٹے تشنہ دہانی
جب سوئے عدم خلق سے منہ موڑ کے جاؤن
حسرت یہ ہے کہ پیاسا مین اسے چھوڑ کے جاؤن

یہ کہکے اُٹھایا رُخِ بے شیر سے دامن ۱۲ چہرے کی تجلی سے جہان ہو گیا روشن
دیکھی جونہی وہ چاند سی ڈھلتی ہوئی گردن   کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن
ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے اُن مین
تھرّا گئے جو صاحبِ اولاد تھے اُن مین

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا   دامن کسی جلاد نے اشکون سے بھگویا
ہر شخص کے ایک تیر لگا قلب پہ گویا   بولا کوئی ایمان بھی گیا دین بھی کھویا

یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے ۱۴ معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
بولا کوئی بچہ ہے ترا دھیان کدھر ہے دشمن سمجھ اس کو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
پچھتائیگا کل آج جو پانی اسے دیگا
یہ طفل جوان ہو کے عوض باپ کا لیگا

تب شمر پکارا کہ ہمیں رحم نہیں ہے ۱۵ یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسین ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقین ہے اس فوج میں ایک ایک شقی دشمن دین ہے
بے صبر نہیں گو کہ گرفتار قلق ہوں
حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجت حق ہوں

یہ سن کے بڑھا صف سے بن کاہل بے پیر ۱۶ پیاسے علی اصغر کے ہوئی قتل کی تدبیر
جوڑا ستم ایجاد نے چلے میں ادھر تیر چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیر
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

کب سنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا ۱۷ اک تیر ستم تاک کے معصوم کو مارا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رخ سے ڈھل آئے
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

گھبرا کے سری کو جو لگے کھینچنے سرور ۱۸ سب خون سے کرتا بھی سلوکا بھی ہوا تر
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازوے انور ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
بیتابی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

بیٹے بھتیجے بھانجے سب قتل ہوچکے تشنہ کام معصوم بھی آغوشِ مبارک مین جامِ شہادت سے سیراب ہوچکا۔ اب صرف جناب حسینؑ تنہا باقی ہین اور آخری رخصت کو خیمہ مین تشریف لیجاتے ہین۔

رخصتِ حضرت امام حسینؑ

۱
روتے ہوے حرم مین گئے قبلۂ انام ترتھی لہو سے لختِ جگر کے قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سرد تشنہ کام طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام
یہ درد تھا کہ جا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے ہین
یہ حال تھا کہ رونے یہ دشمن بھی روتے ہین

۲
پیارے نواسے حسین علیہ السلام کے لائی حرم سرا مین بہن ہاتھ تھام کے
تھرّا رہے تھے پاؤن شہِ تشنہ کام کے سر دوش پر تھا زینبِ عالی مقام کے
فرماتے تھے "بن علی اکبرؑ گذر گئے"
ہم ایسے سخت جان تھے کہ اب تک نہ مر گئے

سر بارِ دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن اب عنقریب خیمۂ عصمت ہین تیغ زن
مردے پڑے ہوے ہین عزیزون کی بے کفن پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن
محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سُن کے بیبیون کے جگر پر چھری چلی زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سر خفی جہان کے ہین سب آپ پر جلی جاتا ہے سرکشون مین یہ کونین کا ولی
بے کس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمھین خالق کی یاد سرّ و علن چاہیے تمھین

لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھین ۔ جو مان کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھین
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہِ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن ٦ کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمھارے بھائی کی رحلت ہے اے بہن ۔ دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حال غیر ہو
اُس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکھا یہ کہکے بالی سکینہ کو پاس سے ٧ لپٹی وہ دوڑ کر شہِ گردون اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے ۔ بولی وہ تشنہ کام شہِ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیّۂ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہان سفر ناگزیر ہے ٨ آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے ۔ تنہا ہین ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سنکر مصیبت پدرِ بیکس و حزین ٩ بولی بلائین باپ کی لیکر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہین یا امامِ دین ۔ آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہین
صدقے گئی مدینہ چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لو مجھے تم جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہین راہین پدر نثار ۔ پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوجِ نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکون سے نہ سوار ۔ اس دشتِ کین مین قید ہے احمد کا یادگار

قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہین
سر کاٹ کر درختون مین لٹکائے جاتے ہین

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہوا ادھر ۱۱ ضد کرکے روئیو نہ ہمین چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر سو رہیو مان کی چھاتی پہ غربت سے رکھکے سر
راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام ۱۲ بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام کھل جائیگا یہ درد والم تم پہ تابہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

یہ کہکے پیاری بیٹی سے۔ دیکھا ادھر ادھر ۱۳ پوچھا کدھر ہین بانوے ناشاد نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ ادھر بیٹھی ہین سر رخصت کی بھی حضور کے ان کو نہین خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب ان کا تمام ہے

روتے ہوئے وہان جب گئے شاہ خوش خصال ۱۴ دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال
شبیر بیٹھکر یہ پکارے بصد ملال اے شہر بانو ہوش مین آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہین
صاحب اٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سنکر صدا حسین کی چونکی وہ نوحہ گر ۱۵ کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہین باندھے ہوئے کمر صاحب کہان ہے سنتون والا مرا پسر
ایسے نہین جو دکھ مین جدا ہون وہ باپ سے

اپنے مرادوں والے کو مین لونگی آپ سے

باتین یہ سنکے کہنے لگے شاہ بحر و بر ۱۶ یارب جدا نہ ہو کسی مان سے جوان پسر
بانو کسے بلاؤن کہان ہے وہ سیم بر ہم شکل مصطفٰے تو گئے فاطمہ کے گھر
ہر دکھ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمھین دیا تھا وہ اب اسکے پاس ہین

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انھین ۱۷ سچ ہے سنا فقیرون کی نظر کھا گئی انھین
مخفی بہت کیا یہ اجل پا گئی انھین صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی انھین
زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤ گی
اب تو کوئی گھڑی مین ہمین بھی نہ پاؤ گی

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل فگار ۱۸ اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار بیٹھین کہان یہ بیکس و غمخوار سوگوار
کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جایئے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جایئے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تھی یا امام ۱۹ مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام گر قید ہو گئی تو کہین گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آل رسول کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتول کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال ۲۰ زہرا کی بیٹیون کی رہو تم شریک حال
زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونون لال صاحب تمھارے ساتھ ہے عابد سا خوشخصال
بے وارثون کا وارث و والی اللہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤن کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آ کے روئیو　　لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلّا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نِہُوڑا کے روئیو　　قبر رسول پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لٹنے مین صبر و شکر تباہی مین چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی مین چاہیے

مناظر قدرت کی تصویر کشی مین میر صاحب کو وہ ید طولیٰ حاصل تھا کہ مولف المیزان (باوجودیکہ موازنۂ شبلی کا جواب لکھتے اور نشۂ الفت کلام دبیر سے سرشار ہین) تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ مناظرِ قدرت کی تصویر کشی مین میر انیس لاجواب شاعر تھے۔"

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

میر صاحب کبھی صبح کی دل آویزی بیان کرتے ہین۔ کبھی رات کی تاریکی قندیلون کی روشنی کا تذکرہ کرتے ہین کبھی موسم کی گرمی۔ دھوپ کی تیزی۔ لُو کی شدت۔ پیاس کی تکلیف کا نقشہ کھینچتے ہین لیکن ہر جگہ اظہار جذبات مین صادق البیان ہین۔ غم انگیز اشارے جو مرثیت کی جان ہین ترک نہین ہوتے اور مجلس ماتم کو محفل مشاعرہ نہین بننے دیتے نمونہ ملاحظہ ہو:۔

صبح

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح　　گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثار صبح　　سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکون کا دمبدم　　مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجون کا پیچ و خم　　سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

۳
وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طایرون کے غول درختون پہ بیشمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار
کو کو وہ قمریون کی وہ طاؤس کی پکار
واں تھے دریچے باغ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

۴
آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جسکی ضو سے وجد مین طاؤس آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

۵
اوج زمین سے پست تھا چرخِ زبرجدی
کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمرّدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو امت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

۶
وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

۷
تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسمان جناب
نکلا تھا خون ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہر علقمہ بھی خجالت سے آب آب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا مین ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی

ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

طے کرچکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ۸ ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے چرخ سے اٹھائی نقابِ شب ۹ در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب دفتر کشائے صبح نے الٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں ۱۰ چن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں مرجھا کے گر گئے ثمر و شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور ۱۱ یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انسان زمیں پہ محو ملک آسمان پہ
جاری تھا ذکر قدرتِ حق کا زبان پہ

وہ سرخی شفق کی ادھر چرخ پر بہار ۱۲ وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار پھولوں سے وہ بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے

آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمین رشکِ آسمان ۱۳ تھا دور دور رنگِ شبِ مہتاب کا سمان
چھٹکے ہوئے ستارون کا ذرون پہ تھا گمان نہرِ فرات بیچ مین تھی مثلِ کہکشان
ہر سبزہ و درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤن ستارون کی اور وہ نور ۱۴ دیکھے تو غش کرے اَرِنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلون سے قدرتِ اللہ کا ظہور وہ جابجا درختون پہ تسبیح خوان طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولون کی باس سے

ٹھنڈی ہوا مین سبزۂ صحرا کی وہ لہک ۱۵ شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختون کا پھولون کی وہ مہک ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ چمک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار ۱۶ پھولون پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہان تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریون کا چار طرف سرو کے ہجوم ۱۷ کوکو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جو انکی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زبان تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار ۱۸ اے دانہ کش ضعیفون کے رازق ترے نثار
یا حی یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار تسبیح تھی کہین کہین تہلیل کردگار
طائر ہوا مین مست ہرن سبزہ زار مین
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

رات

کھولا عروس شب نے جو زلف سیاہ کو روشن کیا سپہر نے قندیل ماہ کو
ضو دیکے اخترون کے چراغون نے راہ کو پرنور کر دیا فلک بارگاہ کو
جلوہ تھا یون ستارون کا اُس دن کی رات مین
افراط روشنی کی ہو جیسے برات مین

تھی بس کہ عقد قاسم نوشاہ کی وہ رات نور سحر کو جلوہ شب نے کیا تھا مات
تھی شرم سے حجاب مین پنہان شب برات روشن تھی مثل مطلع خورشید کائنات
جلوہ عیان تھا قدرت پروردگار کا
عالم تھا آدھی رات کو نصف النہار کا

تھا اک طرف تو جلوہ مہتاب آسمان اک سمت اخترون کے چراغون کا وہ سمان
کم تھی وہ جا جہان مین نہو روشنی جہان افشان چنے ہوئے تھی ستارون کی کہکشان
جلوہ جدا تھا عقد ثریا کے نور کا
روشن تھا جھاڑ بام فلک پر بلور کا

تابان تھے بر و بحر و بیابان و کوہسار اک اک شجر پہ سرو چراغان کی تھی بہار
تحریک سے ہوا کی جو ہلتے تھے برگ و بار گرتا تھا نور چھن کے درختون سے بار بار
ہر دم تھا چاندنی سے فزون نور چھاؤن کا
تھا فرش ہر شجر کے تلے دھوپ چھاؤن کا

روشن تھین فرش خاک پہ شمعین جو دور دور — جلتا تھا نور دیکھ کے اُن کا چراغ طور
شعلہ پری کا رخ تو دھوان رشک زلف حور — جاری تھے اشک گرم کہ افسردہ ہین حضور
ہر چند گریہ کرنے کی پروانگی نہ تھی
ہو ضبط ایسی آگ دلون مین لگی نہ تھی

جب زلف کو کھولے ہوے لیلائے شب آئی — پردیس مین سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کنان روح امیر عرب آئی — غل تھا کہ شب قتل شہ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غم جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اُس شب کی سیاہی — ہے چار طرف جسکی سیاہی سے تباہی
مرغان ہوا برین تپان بحر مین ماہی — تربت سے نکل آئے تھے محبوب الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولان سلف مین
یثرب مین تزلزل تھا اُداسی تھی نجف مین

تھی طرفہ شب تار کہ تارے بھی تھے مستور — اک پارہ ہے جس کا شب یلدا شب دیجور
دوڑے کہین شبدیز نظر تھا نہ یہ مقدور — ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہے یا دور
حضرت پہ وہ اُس تین پہر رات مین گذری
تکلیف سکندر پہ جو ظلمات مین گذری

جنگل کی ہوا اور درندون کی صدائین — تھراتی تھین بچّون کو چھپائے ہوے مائین
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جائین کہین جانین — روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھین دعائین
گودون مین بھی راحت نہ کہین پاتے تھے بچّے

جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا — آندھی سے پریشان تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اجالا — خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اڑتی تھی منھ پر حرم شیر خدا کے
تھا بین جنبش فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

— گرمی —

وہ لو وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب — کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب — خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آب رواں سے منھ نہ اٹھاتے تھے جانور — جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر — خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار — ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار — کانٹا ہوئی تھی پھول کے ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے — آہو نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے — گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر

بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان — انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان — تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینہ فلک کو نہ تھی تابِ تب کی تاب — چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب — کافورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑون کی راہِ سخت — پانی نہ منزلون نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین غازیون کے رخت — سونلا گئے ہین رنگ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائین چاند سے چہرون پہ ڈالے ہین
توسنے ہوئے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر — صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
رنجِ مسافرت مین ہین سلطانِ بحر و بر — لب برگِ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر
آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اٹے ہین غبار سے

اہلِ حرم ہین ہودجِ محمل مین بے قرار — معصوم پانی مانگتے ہین رو کے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ اے شاہِ نامدار — گرمی سے جان بلب ہے مرا لالِ شیرخوار
کیونکر یہ دکھ اٹھے چھٹنے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا — محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا — ٹھنڈی ہوا مین لے کے چلو تم پہ مین فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے

مخفی تھے شر شدتِ گرما سے حجر مین — چلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر مین
نہ بحر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین — جھیلون مین نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر مین
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتین بھی نہ آتی تھین کنوین خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانون سے نکلتے تھے شرارے — ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق مین اسد اللہ کے پیارے — دھڑکا تھا کہ یہ لو کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے
اودے تھے لبِ لعل سکینہ کے عطش سے

تھا مہر کی حدت سے یہ حال شہِ ابرار — ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سرخ تھے رخسار
تحمید مین جنبان تھے لبِ لعل گہربار — بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
ایک پھول بھی زہرا کے چمن مین نہ ملیگا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن مین نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرتِ عباس کا عالم — منھ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم — فرماتے تھے اشک آنکھون مین بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمھین بھائی نہ ملیگی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یون اکبر مہ رُو تھے پسینے مین نہائے
جیسے تپ محرق مین جوان کو عرق آئے
جب پھُکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
ربّ دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے
گزریگا ہر اک دم تپش دل سے قلق مین
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہونگے عرق مین

حضرت کو سکینہ بھی صدا دیتی تھی پیہم
محمل مین گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہون پسینے مین یہ عالم
برسے گی یونہی آگ تو جینے کے نہین ہم
ہین ابر کرم آپ کرم کیجیے بابا
سایہ کہین مل جائے تو دم لیجیے بابا

سنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرت عباس
کہتے تھے چچا صدقے ہو روؤ نہ بصد یاس
لو پانی پیو تمکو لگی ہو جو بہت پیاس
دم گھٹتا ہے محمل مین تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمھاری ہمین منظور نہین ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہین ہے

مشکین لیے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ
پھر لاتے تھے پانی پئے فوج شہ ذی جاہ
جس طرح پیاسون کا ہو مجمع بسر راہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یون شہ کے ہواخواہ
جنگل مین عطش کا جو تھا صدمہ کہ و مہ پر
چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

پھرتا تھا دم سرد پریشان کوئی ہو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا منھ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لو سے ردا چہرے پہ رو کے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتے تھے جو چھینٹے تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

—غرض وہ خاص وصف جس نے میر صاحب کے مرثیون کا پایہ بلند کیا اور اُن کو شعرا کی صفِ اول مین جگہ دلائی اُن کی مصوری اور واقعہ نگاری تھی جس قدر زیادہ مطالعہ اُن کے کلام کا کیا جائیگا اُتنی ہی زیادہ تصدیق اس دعوے کی ہوتی جائیگی۔

رزمیہ شاعری بھی دراصل واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے اس لیے یہان بھی میر انیس اپنے ہم عصرون سے گوئے سبقت لیجاتے ہین۔ معرکہ کا زور شور۔ جنگ کا ہنگامہ۔ فوج کا ساز و سامان۔ سپاہیون کا جوش۔ دشمن کی ابتری۔ لشکرِ اعدا مین ہلچل۔ اس طرح بیان کرتے ہین کہ سننے والون کے کلیجے دہل جائین۔ حریفون کے داؤن پیچ اور فنونِ جنگ کا یون نقشہ کھینچتے ہین کہ آنکھون کے سامنے تصویر پھر جائے۔ نوعمری مین بانک بنوٹ وغیرہ فنون سپہگری کی مشق کی تھی اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہین۔

چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں ۔۔ یہ کہکے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان
ڈانڈ آئی ڈانڈ پہ تو سنان سے لڑی سنان ۔۔ اک بند باندھکر جو فرس سے کہا کہ ہان
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ ماری بچا کے سر ۔۔ جھنجلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر ۔۔ دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

کھولے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند ۔۔ بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند ۔۔ پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجلا کے پھر کمند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

- جناب عونؔ و محمدؔ سے مقابلہ کے لیے دو زبردست پہلوان لشکرِ دشمن سے آتے ہیں۔ آپ حریفوں کے داؤں پیچ دیکھیے - یہ تصویر کشی کا کمال ہے -

بائیں طرف وہ لاتے تھے جب پھیر کر سمند ‏ ‏ مڑتے تھے داہنی سمت کو دونوں یہ ارجمند
آتے تھے زد پہ سامنے جب وہ جفا پسند ‏ ‏ جاتے تھے اُڑ کے یاں سے بھی اسپاں سربلند
چوٹیں جو چل رہی تھیں ذرا فرق و بیں سے
ڈھالوں پہ وار رک رہے تھے جانبیں سے

آئے ادھر یہ سن سے وہ زن سے نکل گئے ‏ ‏ وہ دب گئے یہ تول کے تیغیں سنبھل گئے
گھوڑے اُٹھا کے جب یہ گئے پر مچل گئے ‏ ‏ ظالم جہاں پہ تھم گئے سو وار چل گئے
غل تھا کہ انکے ہاتھوں کی ضربیں بلا کی ہیں
چوٹیں یہ سب بندھی ہوئی مشکل کشا کی ہیں

پڑتی تھیں انکے ہاتھوں کی چوٹیں جو بار بار ‏ ‏ غصہ میں آکے اور جھپٹتے تھے نابکار
کیں ضربتیں جو مثل یداللہ نامدار ‏ ‏ بچوں سے تیغیں جھٹ کے گریں دور پرے کے پار
بچوں کے ہاتھ دہنے یہ جا کر جو پھر پڑے
سرکٹ کے دونوں خیمہ کی ڈیوڑھی پہ گر پڑے

- معرکۂ جنگ کا زور شور اس طرح بیان ہوتا ہے -

جنگ

نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے ‏ ‏ اُڑنے لگے شرر دمِ خارا شگاف سے
بجلی بڑھی چمک کے جو دشتِ مصاف سے ‏ ‏ صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے
طبقے فلک کے صورتِ گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

راحت میں جن و انس و ملک کے خلل پڑے ‏ ۲ ‏ قلزم میں ڈر کے مردمِ آبی اچھل پڑے

کھا کھا کے جوش خاک سے چشمے ابل پڑے — بیرالالم سے غول جنون کے نکل پڑے
ستم کا غضب نمونۂ قہرِ اِلٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

اُٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور ۳ مردے دہل کے چونک پڑے سب میانِ گور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور — ہے بازوے حسینؑ مین دستِ خدا کا زور
اُلٹے ہین مثلِ شیرِ خدا آستین کو
اے کردگارِ عرش بچا لے زمین کو

چلّون سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ ۴ منھ ترکشون نے کھول دیے صورتِ نہنگ
خنجر رکھے کمر مین دو دھارے جٹا کے سنگ — برچھی ہلا کے فوج نے جولان کیے سُرنگ
سرہنگ شام گرز گران تولنے لگے
بڑھ بڑھ کے بیرقون کو عدو کھولنے لگے

کالے علم نشان سیہ کالی سب سپاہ ۵ گویا زمین کے سینے سے اُٹھتا تھا دودِ آہ
تھا نالۂ نفیر کہ بیکس کو دو پناہ — شہنا کی یہ صدا اٹھی کہ سید ہے بیگناہ
سنکر دُہل کا شور کلیجے دہلتے تھے
تھرّا کے جھانجھ بھی کفِ افسوس ملتے تھے

وہ غول مصریون کے وہ دَل شام و روم کے ۶ آندھی سیہ اُٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تنہا حسینؑ بیچ مین تھا اس ہجوم کے — تلوار لی نیام سے قبضہ کو چوم کے
اُٹھا سخی کا ہاتھ یداللہ کی شان سے
نکلا ہمائے اوجِ شرف آسمان سے

باہر ہوئی نیام سے شمشیرِ شعلہ بار ۷ یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بے قرار
یا کینچلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار — یا آستین سے یدِ بیضا تھا آشکار

نکلی عروس فتح محافہ جدا ہوا
یا نامۂ ظفر سے لفافہ جدا ہوا

کاٹھی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر ۸ حجلہ تھا یا نقاب رخ لیلیٔ ظفر
گھونگھٹ اٹھا کے برق سی چمکی ادھر ادھر دولہا دلھن حجاب سے نکلے جھکائے سر
دکھلائی سب کو منہ کی صفائی لڑائی میں
جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں

نکلی وہ جانگداز عجب زرق برق سے ۹ صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے
چشمک یہ دمبدم تھی ہر اک اہل شرق سے آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے
دریائے قہر حضرت پروردگار ہوں
طوفان اٹھیگا یاں سے میں وہ ذوالفقار ہوں

الٹے تھے آستین جو شہنشاہ سرفراز ۱۰ جنباں تھی کربلا کی زمین صورت جہاز
اعدا کی فوج پر تھی زبان تیغ کی دراز کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ ساز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

کوندی جو برق طاقت گفتار گھٹ گئی ۱۱ جو صف پئے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دنیا الٹ گئی آپہونچی تھی یہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رحم نہ آتے حضور کو
منہ سے ملا چکے تھے سرافیل صور کو

چلتی تھی ذوالفقار جو سن سن ادھر ادھر ۱۲ دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر ادھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن ادھر ادھر ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن ادھر ادھر
ڈر کر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے

صف پر گری جو صف تو پرون پر پرے گرے

ہاتھون کے کاٹ کاٹ کے پرزے اُڑا دیے ١٣ روئین تنون کے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیے
پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اُڑا دیے گردن بچی کسی کی تو شانے اُڑا دیے
اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کے لگ گیا
تن جا رہا تڑپ کے الگ - سر الگ گیا

قبضون سے قبضے دور تھے ہاتھ آستین سے دور ١۴ سر سے جدا تھا خود تو سر تھے جبین سے دور
کارِ مکین مکان سے مکان تھے مکین سے دور جان جسم سے تو جسم تھے جانِ حزین سے دور
اُس تیغ جانستان سے فقط سر قلم نہ تھے
اللہ رے تفرقہ کہ عناصر بہم نہ تھے

جاتی تھی دور دور بیابان مین اُسکی ضو ١٥ جب وہ بلند ہوتی تھی مانندِ ماہِ نو
کشتِ حیاتِ اہلِ ستم ہو گئی درو اُسکی نہ ایک ضرب نہ اعدا کے وار سو
سرکش سب ایک دم مین نگونسار ہو گئے
کٹ کر سرون کے کھیت مین انبار ہو گئے

طالع جو نحس تھے تو مہِ نخشب پہ گہن پڑا ١٦ کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا
کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا لاشے پہ لاشہ سر پہ سر اور تن پہ تن پڑا
اوپر تلے جو کشتون کے انبار پاتی تھی
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی

زندے تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پر ١٧ کشتے تڑپ رہے تھے برابر زمین پر
گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر آئی جو سن سے تیغ دو پیکر زمین پر
سلطانِ دین کے پاؤن پہ سر کٹ کے گر پڑا
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا

حربے بھی قتل گاہ سے منہ موڑنے لگے ۱۸ ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچون کو بری چھوڑنے لگے   تیغین پٹک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
چلاتی تھین کمانین کہ اب رُخ کدھر کرین
ڈھالین تھین مضطرب کہ کسے ہم سپر کرین

ہر چند ساری فوج پہ ڈھالون کی آڑ تھی ۱۹ بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
غلبہ تھا دین کا کفر کی بستی اُجاڑ تھی   میدانِ معرکہ مین عجب مار دھاڑ تھی
ڈر ڈر کے منہ سے زہر سبھون نے اُگل دیے
گھوڑون کے سم نے موزیون کے سر کچل دیے

سن سن چلی جو تیغ تو جی سن سنا گئے ۲۰ دریا کے چوکیدار لہو مین نہا گئے
دعوے تھا مردمی کا یہ آنکھین چرا گئے   بچ بچ کے آبِ تیغ کے چھینٹون مین آگئے
مٹی نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا
دم بھر مین ذوالفقار نے بے آبرو کیا

آفت تھی قہر تھی غضب ذوالجلال تھی ۲۱ بجلی تھی صاعقہ تھی فنا تھی زوال تھی
خنجر تھی نیمچہ تھی کٹاری تھی بھال تھی   اعدا کے ذبح کرنے کو سحر حلال تھی
جیتا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا
منہ اُسکا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا

سر اُڑ گئے تنون سے جدھر سرسری چلی ۲۲ خشکی سے خون مین ڈوب کے سوتری چلی
خالی ہوے پرے تو غضب مین بھری چلی   غل تھا کہ لو دکھا کے لگاوٹ پری چلی
خنجر اُٹھے کمین کے اُن کا لہو چاٹنے لگے
دیوانے آپ اپنا گلا کاٹنے لگے

چھوٹین کمانین قبضون سے اور چھٹ گئے تیر ۲۳ کیسی لڑائی سہمے ہوے تھے جوان و پیر

غازی تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر   اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے پھر شریر
لشکر سیہ رخون کا جو پامال ہوگیا
مارے خوشی کے تیغ کا منھ لال ہوگیا

تلوار اور گھوڑے کی تعریف مین مرثیہ گویان لکھنو خصوصاً مرزا دبیر علیہ الرحمہ نے قلم توڑ دیا تھا۔ اس میدان مین تعلّی اور مبالغہ کی حد باقی نہ رکھی تھی۔ گھوڑے کی سرعت کی توصیف یہان تک بڑھا دی تھی کہ "سن بڑھ نہین سکتا"

(دبیر)   اس رخش کے منھ پر کوئی دن چڑھ نہین سکتا
سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا

اور تلوار کی شعلہ فشانی کا یہ عالم تھا کہ

تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی
جل بھن کے آب تیغون کی رن مین دھوان ہوئی

میر صاحب نے اس دشوار منزل کو بھی سلامت روی سے طے کیا۔ انتہائی مبالغہ کے ساتھ ساتھ کہین کہین اصلیت کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے اور یہی تصویر واقعہ ان کے کلام کو دوسرون سے ممتاز کرتی اور اندھیری رات مین جگنو کا کام دیتی ہے۔

تلوار

قد کتنا خوش نما ہے بدن کس قدر ہے گول ۱ جوہر شناس ہے تو اسے موتیون مین تول
مفتاح فتح ہے در نصرت کو اس سے کھول   وہ تیغ ہے خراج صفاہان ہے جس کا مول
اشراف کا بناؤ رئیسون کی شان ہے
شاہون کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

دلسوز شعلہ خو شرر انداز جان گداز ۲ لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز
خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز   حاضر جواب تیز طبیعت زبان دراز

سج اُسکی ہے پسندِ جہان گو سجی نہ ہو
معشوق پھر نہین ہے جو اتنی کجی نہ ہو

پشتہ وہ اُس کا اور وہ باریکی خمیر ۳ کس بل مین بے مثال اصالت مین بے نظیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر گیتی نورد بادیہ پیما فلک مسیر
اس کا جلال خلق مین کس پہ جلی نہین
کوچہ وہ کون سا ہے جہان یہ چلی نہین

چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب ۴ کیا تاب ہے کہ لا سکے اُسکی چمک کی تاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی تاب دشمن اسے جو رات کو دیکھے میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ یہ نہ پاوے مفر کہین
بستر پہ دھڑ کہین ہو دمِ صبح سر کہین

بے پاؤن جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی ۵ ندی ادھر اک خون کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر مین وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا
جوہر جو کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پریوش اُسے کہنا ۶ معشوق بنی سرخ لباس اُس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جوہر تھے کہ پہنے تھی دلھن پھولون کا گہنا
سیبِ چمن خلد کی بو باس تھی پھل مین
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل مین

پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا ۷ ہر ہاتھ مین ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا تیزی کو کڑھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے

قینچی سی زبان چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

نوجون کو دے جواب وہ تیزی زبان مین ۸ ترکش مین چھوڑے تیر نہ ترکش کمان مین
پانی تھا وہ کہ آگ لگا دے جہان مین نازل ہوا تھا آیۂ برق اُسکی شان مین
بے فتح پھیرتی تھی نہ منھ کارزار سے
دعواے ہمدمی تھا اُسے ذوالفقار سے

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے ۹ تنتی تھی کیا تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ مین اُڑا کے کلائی نکل گئی ۱۰ کوندی گری زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی مچھلی تھی ایک دام مین آئی نکل گئی
چار آئینے کے پار تھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

پہونچی سمِ فرس پہ جو بالائے سر گری ۱۱ چمکی ادھر زمین سے نکل کر اُدھر گری
ناری چلے اُدھر وہ جدھر کو نڈر گری جس صف سے لگ چلی وہی صف خاک پر گری
دکھلا کے اوج جاتی تھی وہ یون سوار پر
جنگل مین باز گرتا ہے جیسے شکار پر

جب خود پہ پہنچی تو جھلم کاٹ کر اُٹھی ۱۲ دستانہ کو مانندِ قلم کاٹ کر اُٹھی
جوشن پہ جو آئی تو شکم کاٹ کر اُٹھی سر پہ جو پڑی تا بہ قدم کاٹ کر اُٹھی
بالا تھی وہ شمشیر ستمگار فرد تھا
دیکھا تو فرس بھی اُسی اک ضرب مین دو تھا

جب آئی سن سے کاٹ کے جوشن نکل گئی ۱۳ اُڑ کر صفون کے بیچ سے ناگن نکل گئی
یون چاک کر کے سینۂ دشمن نکل گئی شہرگ سے جان صدر سے گردن نکل گئی
سالم رگین نہ جسم کی نہ استخوان رہے
ٹوٹے قفس مین طائرِ وحشی کہان رہے

پھول اُڑ گئے پھل اُسکا جو چمکا سپر کے پاس ۱۴ نکلی اُدھر سپر سے کہ آ پہونچی سر کے پاس
سر سے اُتر گئی دلِ بیدادگر کے پاس دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
کھولا کمر کا بند تو در آئی زین مین
زین سے گئی فرس مین فرس سے زمین مین

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب ۱۵ آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب
سیلی تھی ایک پری کے تکلم پہ کہ اُسکی تاب تیزی زبان مین وہ کہ فرشتون کو دے جواب
جوہر سے اُس کا جسم جو اہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی ۱۶ غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزان بھی بہار بھی تلوار بھی سپر بھی چھری بھی کٹار بھی
پانی نے اسکے آگ لگا دی زمانے مین
ایک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

ہم چشم تھا ابروے حسینون کی خم اُس کا ۱۷ اللہ ری چمک برق بھی بھرتی تھی دم اُس کا
ناگن بھی اُترا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اُس کا ہر ہاتھ مین ہاتھ اس کا تو بازو قلم اُس کا
جوہر کی چمک دیکھی نہ ہیرون کے نگون مین
یون دوڑتی تھی تن مین لہو جیسے رگون مین

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا ۱۸ یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا

بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا — ششدر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

١٩ منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رخ کیا — یاں سے وہاں گئی اسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار میں نَو دس میں اک جیا — اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکین ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

٢٠ جب تن سے فوج کفر پہ وہ جنگجو چلی — گویا سموم قہر خدا چار سو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے یوں تندخو چلی — ٹکڑے اُڑائے ذبح کیا سرخ رو چلی
غل تھا برش ہے قہر کی جوہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

٢١ جس کے گلے میں مل کے چلی مر کے رہ گیا — بسمل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا — سکتے میں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا
دو پتلیاں بھی پھر تماشا تُلی رہیں
سر کٹ کے گر پڑا مگر آنکھیں کھلی رہیں

٢٢ چھپتی تھی برق اُس کی چمک دیکھ دیکھ کے — رہ جاتے تھے سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
تھرّاتا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے — خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ تاب تھا زلفوں کے جال کا
بجلی کی ازرق برق تھی جسم خم ہلال کا

٢٣ جو دشمن دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وہ — مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
چار آئینہ خود کو کب مانتی تھی وہ — ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ

اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
نابیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

مشہور تھی وہ رشکِ پری قاف سے تا قاف ۲۴ جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیور شفاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف پھر دیکھو تو لب خشک زباں پاک دہن صاف
ٹپکا جو لہو منہ سے شرارے نظر آئے
دریا سے گہر ابر سے تارے نظر آئے

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی ۲۵ چار آئینہ کٹا زرۂ خیرہ سر کٹی
نیزہ کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد تیغ کو جو دیکھا تو صاف تھا

چمکی گری اٹھی ادھر آئی ادھر گئی ۲۶ خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

نلو سو ہوئے بے سر صفِ دشمن پہ جب آئی ۲۷ غل تھا نہیں بچنے کے اجل سب کی اب آئی
اتنی تو صدا آئی کہ برقِ غضب آئی پر یہ نہ کھلا کب گئی اور سر پہ کب آئی
افتادہ تھے بے سر جو پرے فوجِ لعیں کے
سطریں سی نظر آتی تھیں صفحے پہ زمیں کے

دکھلا کے گلِ زخم بدن سے نکل آئی ۲۸ شمشیر خزاں تھی کہ چمن سے نکل آئی
ہمراہ لیے روح کو تن سے نکل آئی شپ سے جو پڑی سر پہ تو تن سے نکل آئی
سرکش کا تکبر سے جب افلاک پہ سر تھا

جھپکی تھی ادھر آنکھ اُدھر خاک پہ سر تھا

مغفر مین ہوئی غرق تو سر کاٹ کے نکلی ۲۹ روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
ثنا نے یہ گری تا بہ کمر کاٹ کے نکلی سینے مین در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
ہر ہاتھ مین گردش تھی نئی ڈھنگ نیا تھا
گھوڑے کے بھی ٹکڑے تھے یہ جو رنگ بنا تھا

کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زنی اُس کا ۳۰ قامت مین کجی چال مین وہ بانکپن اُس کا
تاریک زمین اور وہ تابان بدن اُس کا چلتی تھی سرون پر یہ نیا تھا چلن اُس کا
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
ناب اُسکی بھی تھی یا مانگ نکالی تھی پری نے

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشان برق ۳۱ وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے امان برق
یان موج تو وان سیل جو یان برتو وان برق منہ زہر برش قہر بدن آگ زبان برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ جو گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو

اُٹھکی کبھی ٹھہری کبھی لچکی کبھی چمکی ۳۲ سر گر گئے گردن جدھر اُس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر مین صفین صاف تھین سیدا گرون کی
تھی منہ کی طرح خاک پہ بوچھار سرون کی

مغفر سے جھلم کاٹ کے گردن مین در آئی ۳۳ گردن سے کٹا سر کہ وہ جوشن مین در آئی
جوشن سے گذرنا تھا کہ بس تن مین در آئی تن سے ابھی اُتری تھی کہ توسن مین در آئی
بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے
ایک برق غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا ۴۴ نیزے پہ جیسے ناز تھا سر اُس کا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا   یہ فتح کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا
بد اصل تکبر سے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحب جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا ۴۵ جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا   سینے سے دم جدا رگ جاں سے گلو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

گھوڑا

خوش رو و خوش خرام و خوش انداز و خوش لجام   خوش خو و خوش جمال و وفا فہم و تیز گام
جاندار و شوخ چشم و سعید و خجستہ گام   گل پوش و تیز ہوش و سمن گوش و لالہ فام
غازی تھا سرفراز تھا عالی دماغ تھا
گویا ہوا کے دوش پہ اک زندہ باغ تھا

اُس صف کو الٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا   فوجوں سے پلٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
بجلی سا سمٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا   جوں شیر جھپٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
تھمتا تھا چھلاوہ بھی مگر یہ نہیں تھمتا
طایر بھی ٹھہر جاتا ہے پر یہ نہیں تھمتا

جو رگ ہے عوض خون کے سرعت سے بھری ہے   جلدی جو ہے سب جلد بھی جودت سے بھری ہے
شعلے کی طرح طبع شرارت سے بھری ہے   اُبلی ہوئی ہر آنکھ شجاعت سے بھری ہے
اُڑ جاتا تھا برچھوں وہ محل جست کا پاکے
تلواروں کے نیچے سے نکل جاتا تھا آکے

صرصر تھا کبھی گاہ نسیم سحری تھا — طاؤس فلک سیر دمِ جلوہ گری تھا
بن بن کے اُٹھانے مین قدم کبک دری تھا — کاوے مین جو پرکار تو اُڑنے مین پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسیکو
سایہ بھی نہ اُس کا نظر آتا تھا کسیکو

وہ شہسوار اور وہ سمندِ فلک نورد — پائی کبھی صبا نے نہ جسکے قدم کی گرد
بازارِ برق گرم روانی سے اُس کی سرد — تھا چال مین پری تو چھلاوہ دمِ نبرد
اُس کی سبک روی سے خجالت سحاب کو
دریا پہ جائے اور نہ خبر ہو حباب کو

صرصر سے تیز تر تھا وہ اسپِ خجستہ فر — یکسان تھا اُس کو صورتِ خورشید دشت و در
پانی پہ تھا جو موج تو آتش مین تھا شرر — گیتی نورد و برق تگ و آسمان سفر
ٹاپون سے سرکشون کی صفین پایمال تھین
زین آفتاب تھا تو رکابین ہلال تھین

مشرق سے جو راکب اُسے ہان کہکے اُڑائے — عقلِ حکما دنگ ہو سرعت وہ دکھائے
ہ سے الفِ ہان ابھی یان وصل نہ پائے — مغرب سے بہ خورشید فلک جاکے پھر آئے
دھوکا پرِ پرواز کا ہے دامنِ زین پر
طاؤس ہوا پر ہے تو بجلی ہے زمین پر

یہ تا حدِ امکان صفتِ عقل رسا جائے — بالائے فلک صورتِ شبدیز دعا جائے
کہسار سے دریا کی طرف مثلِ ہوا جائے — دریا پہ جو دوڑاؤ تو مانندِ ہوا جائے
سیر اس کی اگر چشم کو منظور نظر ہو
آنکھون مین پھرے یون کہ نہ پتلی کو خبر ہو

اُڑ جاتے مین رنگِ رخِ عاشق سے سبک تیز — کاکل وہ کہ زلفِ سرِ لیلے سے دل آویز

پوئی مین غزالون کے طرارون سے کہین تیز — آقا کے ارادے کو سمجھتا ہے وہ مہمیز
جون سایۂ آہو نہ قرار اُسکو کہین تھا
راکب نے جدھر آنکھ سے دیکھا یہ وہین تھا

جرات مین نہنگ شیر تو ہیکل مین پیلتن — پوئی کے وقت کبک دری جست مین ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہین ابر قطرہ زن — بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

آنکھین وہ جن کو دیکھکے حیران رہے غزال — گردن وہ جسکی شرم سے ہے سرنگون ہلال
آہو کی جست شیر کی چتون پری کی چال — دل اُسکے دست و پائے حنائی سے پائمال
ہر نعل پا کا حسن یہ تھا اُس جلوس مین
آئینہ جس طرح سے ہو دست عروس مین

بکل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو — بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوّار پھیر لو — نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو
دوڑے پروئے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو
آنکھون مین یون بھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے — آنکھون کو چرا لیتے تھے خجالت سے چکارے
ہر نعل سے خم تھا مہ نو شرم کے مارے — اُٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیونکر فلک ماہ جبین کو
نقش سُم توسن سے لگے چاند زمین کو

رہک جلد وہ کہ خجل قاقم و حریر — مشکین پہ نہ آہوئے رم خوردہ شیر گیر
حلقے سے یون نکل گیا جیسے کمان سے تیر — آتش مزاج بادیہ پیما نہ فلک سیر

یون فسیح ساتھ ساتھ تھی اُس راہوار کے
جیسے پیادہ چلتا ہے آگے سوار کے

آمد فرس کی تھی دُلھن آتی ہے جس طرح　　　تھم تھم کے نکہت چمن آتی ہے جس طرح
خوشبوئے نافۂ ختن آتی ہے جس طرح　　　یا شمع سوئے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبک دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بیشک پری ہے یہ

چارون سمون سے بدر خجل نعل سے ہلال　　　کھیلین شکار شیر اے آنکھین ہین وہ غزال
کیسے نہ یال حور نے بکھرا دیے ہین بال　　　پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
رستے ہین یاد گنبدِ نیلی رواق کے
دلدل کی تیزیان ہین طرارے براق کے

سینہ کشادہ تنگ کمر چست جوڑ بند　　　گردن خمِ ہلال اور اُس پر سرِ بلند
جاندار بُردبار عدو کُش ظفر پسند　　　بجلی کسی جگہ کہین آہو کہین پرند
سرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
اتنے ہنر فرس مین یہ قدرت خدا کی ہے

وہ زیب و زین زین کی وہ ساز وہ پھبن　　　زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دُلھن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن　　　سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
یا کھر نہ تھی زرہ مین تہمتن کا جسم تھا

وہ صاف صاف اُسکی کنوتی کمر کفل　　　اللہ رے کشادگیِ سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہین آرام ایک پل　　　پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل

راکب نے سانس لی تو وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اُس کے لیے تازیانہ تھا

وہ جست و خیز اور وہ چالاکیِ سمند — سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اُس کے جوڑ بند
سُم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند — نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
تیلی سوار کی نہ کھسکی تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال — کبکِ دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی سے قدم کے تلے نہال — اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد بُردہ تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا — آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا — نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیران تھے اُس کے گشت پہ لوگ اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

سمٹا جما اُڑا اِدھر آیا اُدھر گیا — چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا — برہم کیا صفوں کو پروں سے گذر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اُس کی فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی — دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی — غصہ میں جست شیر کی شوخی غزال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن یراق کا — دُلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

میر صاحب کے کلام پر ریویو نا مکمل رہے گا اگر اُن کی نازک تشبیہات و لطیف استعارات کی مثالین نہ پیش کی جائین۔ گلشن کی ایک ایک کلی مین معشوق کا جلوہ دیکھنا اور محبوب کے ایک ایک خال و خط پر کائنات کو فدا کرنا شاعر کا خاص کام ہے کم سے کم متاخرین شعرائے فارس نے تو اسی جادو نگاری کی بدولت بقائے دوام کے دربار مین جگہ پائی ہے

شعرا کی زبان مین معشوق کی آنکھ پر چشم غزالان صدقے ہے۔ رخسار سے شمس و قمر خجل ہین۔ گلاب کی پنکھڑی لب نازک کی مثال ہے۔ دانت موتی کو شرمندہ کرتے ہین۔ گردن صراحی دار ہے۔ ذقن سیب ہے۔ قامت سرو و شمشاد ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ دل آویز تشبیہین جن سے شعرائے اردو کے دواوین رنگین ہین، معشوقان بازاری کا سراپا بیان کرنے کے لیے بہت مناسب ہین۔ لیکن "ہم شکل مصطفےٰ" اور پسر "حیدر صفدر" کے خط و خال کا ان بیش پا افتادہ مضامین سے نقشہ کھینچنا ایک عاشق اہل بیت عجز شاعری سمجھتا ہے۔ وہ ان کے سراپا کی توصیف کے لیے نئی نئی تشبیہین تلاش کرکے لاتا اور اپنی معجز بیانی کا جلوہ دکھاتا ہے

سراپا

استادہ ہے یہ ماہ بنی ہاشم ذی قدر دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر یہ عارض و گیسو سحر عید و شب قدر
یان کون سی نسبت ہے تری شمس و قمر کو
اک رات کو قربان کرون ایک سحر کو

پیشانی پر نور سے ہے رن مین اُجالا روئے و خط رخسار وہ مہتاب مین ہالا
ابرو ہے کہ سر تیز سر وہی کا ہے مالا پلکین نہین جھپکین پہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے اُڑین ہوش نہ کیون اہل حسد کے

آنکھین تو ہین آہو کی یہ تیور ہین اسد کے

جلتے رہین کیونکر نہ مہ و خور سحر و شام   ہے حسن کی آتش سے بھبوکا رخ گلفام
خال اور خطِ سبز وہ دانہ ہے تو یہ دام   ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بینی کو جو دیکھو تو عجب شوکت و شان ہے
یہ حسن علمدار کے لشکر کا نشان ہے

اک جا تو مناسب نہ تھے دو مردم بیمار   صانع نے اُٹھا دی ہے فقط نور کی دیوار
اک شاخ ہے یا دو گل بادام ہین اظہار   یا یہ الفِ ماہ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوے گلستانِ ارم اس مین بھری ہے
گویا ورقِ زر یہ کلی گل کی دھری ہے

یاقوت لب سرخ ہین دندان دُرِ مکنون   دیکھے سے عقیق جگری کا بھی ہے دل خون
کس چیز سے نسبت دہن تنگ کو مین دون   نایاب ہے عنقا کی طرح طایرِ مضمون
حال اُن کا نزاکت سے کھلیگا نہ کھلا ہے
یان بابِ سخن بند ہی رکھیے تو بجا ہے

آتی ہے سدا صاف قلم سے دمِ ترقیم   ہے جوہرِ فرد اسکی نہوگی کبھی تقسیم
بینی ہے الف زلف ہے لام اور دہن میم   جو حرف ہے قرآن کا وہ ہے لائقِ تعظیم
وصفِ دہنِ تنگ مین دقت مجھے کیا ہے
کافی ہے بس اتنا ہی کہ اسرارِ خدا ہے

آتی ہے ثنائے دُرِ دندان جو زبان پر   تقریر کے رشتے مین پروتا ہون مین گوہر
ہیرے کے نگین اُن سے ہون کس طرح برابر   یہ بحرِ شرافت کے ہین موتی تو وہ پتھر
ہنسنے مین جو پڑ جاتا ہے عکس اُن کا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتون کی چمک پر

دل کس کا نہ گردن کی صفائی پہ ہو قربان — مہتاب کو ہے جسکے گلے ملنے کا ارمان
گویا کہ ہلال شبِ اول ہے گریبان — شانوں کی نشانِ اسدِ حق سے ہے کیا شان
حیران تھی نظر دوشِ مبارک پہ گماں ہے
یاقوت مین خورشید جہانتاب عیاں ہے

ہین بازوے عباسؑ کہ شاخ شجرِ حسن — پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظرِ حسن
گھر حسن کا سینہ ہے تو بازو ہین درِ حسن — طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حسن
ان ہاتھوں سے ہمدست کفِ حور نہین ہے
خورشید کے پنجہ مین بھی یہ نور نہین ہے

ہر چیز علمدار نے پائی ہی علیؑ کی — اللہ نے تصویر بنائی ہے علیؑ کی
پنجہ ہے علیؑ کا تو کلائی ہی علیؑ کی — ان انگلیون مین عقدہ کشائی ہے علیؑ کی
ورثہ مین ہے زور اُن کو ملا جد و پدر سے
ہلکا درِ خیبر کو سمجھتے ہین سپر سے

دیکھو تو کسی شیر نے پایا ہے یہ سینہ — حصہ مین اسی چاند کے آیا ہے یہ سینہ
حق نے یدِ قدرت سے بنایا ہے یہ سینہ — سینے سے یداللہ نے لگایا ہے یہ سینہ
فرماتے ہین عاشق ہون مین اس رشکِ قمر کا
یہ سینہ سپر ہوویگا زہرا کے پسر کا

ہے تا بعدم ذہنِ رسا دوڑ کے جاتا — لیکن کہین مضمونِ کمر کو نہین پاتا
ہے بال سیہ در نجف مین نظر آتا — مثل رگِ گل تابِ نزاکت نہین پاتا
اس رشتہ سے محکم کمرِ مرتضوی ہے
نازک تو ہے پر دین کی پشت اس سے قوی ہے

شمشاد سے بالا قد بالائے مبارک — در پیش ہے اب وصف قدم ہائے مبارک
تعویذ شفا نقش کف پائے مبارک — جس جا گذر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہین سجدے کو ملک عرش برین کے
احسان یہ انھین پاؤن کے ہین سر پہ زمین کے

پہونچا عجب شکوہ سے رن مین وہ مہ جبین — کوسون فروغ حسن سے روشن ہوئی زمین
آئے رسول حق یہ ہر اک کو ہوا یقین — غل تھا یہ نوجوان تو ہے یوسفؑ سے بھی حسین
تصویر سر سے تا بقدم مصطفیٰؐ کی ہے
اس حسن کے بشر بھی ہین قدرت خدا کی ہے

مثل کمان کشیدہ ہین ابروے بے نظیر — ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
سر بر نہ ہونے دینگے عدو کو مژہ کے تیر — ہین اس کمان و تیر پہ قربان جوان و پیر
قربان چشم سرمہ کشیدہ کی شان پر
چلہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

آنکھون کو عین کعبہ سمجھتے ہین حق پرست — کیفیت رحیق محبت سے ہین یہ مست
صانع نے کر دیا صف مژگان کا بند و بست — عین الکمال سے انھین پہونچے نہ تا شکست
مردم مین روشنی ہے اسی نور عین سے
دیکھے کوئی ان آنکھون کو چشم حسینؑ سے

ہمشکل ہین جناب رسالت مآب کے — کہتا ہے حسن خود کہ نثار اس شباب کے
گیسو ہین یا ہین ماہ پہ لکے سحاب کے — رخسار ہین کہ پھول کھلے ہین گلاب کے
دونون سے نور مین مہ و خورشید ماند ہین
زلفین گواہ ہین کہ اندھیرے کے چاند ہین

گلزار حسن سے کوئی دیکھے ذقن کا رنگ — اڑتا ہے غنچہ و سمن و یاسمن کا رنگ

شرمندہ ہے لبون سے عقیق یمن کا رنگ — رنگین بیان ہین سبب جدا ہے سخن کا رنگ
بلبل بھی مدح خوان چمنِ مرتضیٰؑ کی ہے
غنچہ سے پھول جھڑتے ہین قدرت خدا کی ہے

اللہ رے نورِ گوہرِ دندانِ آبدار — بجلی چمک رہی ہے بدخشان مین بار بار
الماس صدقے خاصلِ بحرِ عدن نثار — ہین گوہرِ خزینۂ محبوب کردگار
دولت ملی ہے اکبرؑ شیرین مقال کو
ان موتیون سے عشق ہے زہراؑ کے لال کو

ظاہر ہین اُن کے ہاتھون کی زور آزمائیان — مثلِ علیؑ کرین گے صفون کی صفائیان
شرکی ہین دم مین بدر و احد کی لڑائیان — زورِ یداللّٰہی سے بھری ہین کلائیان
بالا رہا ہے سب سے جہان مین علیؑ کا ہاتھ
پہونچے یہ وان جہان نہین پہونچا کسی کا ہاتھ

کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم — جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہان کہان صفتِ قلزمِ کرم — مورِ ضعیف مدحِ سلیمان ذی حشم
یان سب تعلیان شعرا کی فضول ہین
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہِ رسول ہین

خالق جسے اپنے یدِ قدرت سے بنائے — خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اُس سے ملائے
یہ چاند سی تصویر کہان سے کوئی لائے — خود ڈھونڈے نظیر اپنا تو عالم مین نہ پائے
چہرہ گُلِ شاداب ہے قد سرو بھی ہے
یوسف شہِ والا کے عزیزون مین بھی ہے

ہر شہر مین پیشانیِ انور کا ہے شُہرا — سجدے کا نشان بھی ہے تکلف ہے دُہرا
گویا ورقِ ماہ یہ ہے ماہ کا مُہرا — دیکھو سرِ خورشید یہ طالع ہوا زُہرا

اس طرح کا اختر کوئی دنیا مین نہ دیکھا
موسیٰ نے یہ جلوہ ید بیضا مین نہ دیکھا

غصے سے جو تیوری کو چڑھائے ہے یہ جرار   گویا کہ ہین دو ناخن شمشیر ابروے خمدار
بے جنگ ہوئے جاتی ہے گھائل صف کفار   بلجاتے ہین جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
اس طرح کا صفدر کوئی بستی مین نہین ہے
یہ کاٹ کبھی تیغ دو دستی مین نہین ہے

گردون پہ مہ نو کا یہ عالم نہین دیکھا   شمشیر ہلالی مین یہ دم خم نہین دیکھا
دونون مین کبھی فاصلہ اک دم نہین دیکھا   یون ربط کمانون مین بھی باہم نہین دیکھا
ایک بیت کے یہ مصرع برجستہ ہین دونون
ظاہر مین کشیدہ ہین یہ وابستہ ہین دونون

کہیے مہ نو ان کو تو یہ رو نہین اس مین   مہتاب کہین رخ کو تو گیسو نہین اس مین
ہے اک گل خورشید سو خوشبو نہین اس مین   آنکھین نہین پلکین نہین ابرو نہین اس مین
بو ہے گل تر مین یہ خط و خال کہان ہے
قد سرو کا موزون ہے تو وہ چال کہان ہے

آنکھون کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے   ہان دیدۂ نرگس کا بھی مضمون نظری ہے
حلقے مین سواد شب و نور سحری ہے   چشم مین پتلی ہے کہ شیشہ مین پری ہے
یہ شام و سحر حور و ملک نے نہین دیکھی
آنکھ ایسی کبھی چشم فلک نے نہین دیکھی

نظرون سے نہ کس طرح گرے دیدۂ آہو   بے لطف ہے جب تک کہ نہو چشم نہ ابرو
آنکھون سے نہان ہے جو رخ سید خوش خو   پتلی صفت قبلہ نما پھرتی ہے ہر سو
روتے ہین فراق پسر شاہ نجف سے

آنسو نہیں موتی نکل آئے ہیں صدف سے

خط ہے جو شب قدر تو رخ صبح ارم ہے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
توصیف میں عاجز دمِ تحسین یہ قلم ہے
دیکھو خطِ ریحان ورقِ زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شب دیجور لیے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا نور لیے ہے

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
رنگ لب نازک گل تر نے نہیں پایا
نور اس دُرِ دندان کا گہر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں دونوں کے گر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے نگ ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

خورشید رخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے
ہیرے کی چمک اس دُرِ نایاب میں دیکھے
ایسے نہ کواکب شب مہتاب میں دیکھے
گردوں نے یہ تارے نہ کبھی خواب میں دیکھے
ٹھہرا جو نہ وہ لائق تشبیہ نظر میں
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں

آئینہ کو حیران کیا گردن کی صفا نے
ڈھالا اسے نور کے سانچے میں خدا نے
الماس سے بازو ہیں تو مینا سے ہیں شانے
شانوں کو تو چھوا ہے شہِ عقدہ کشا نے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
اس طرح کا تیغہ نہ کسی شیر نے پایا

دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی
یہ رستم و دستان نے بھی قوت نہیں پائی
منہ دیکھ لیں خود دیکھی یہ ہتھیلی پہ حنائی
اور ناخن انور کا ہنر عقدہ کشائی
یہ پنجہ کہ اژدر کا جو ہے سر نہیں کھلتا
زور ان کی کلائی کا تو خیبر میں کھلتا

انوار الٰہی سے منوّر ہے یہ سینہ — مسکن ہے جہاں نور کا وہ گھر ہے یہ سینہ
ہم مرتبۂ سینۂ حیدر ہے یہ سینہ — عدل و کرم و داد کا مصدر ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوشبو کہ پسینہ ہے قبا میں
خزدان میں مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا میں

اسکی کرامت کا کیا حال کہوں آہ — ختم ہو گئی مرجانے سے جس کے کرشاہ
جس جا پہ ہو نقش قدم ابن ید اللہ — مٹنے سے وہ شکل خط قسمت نہیں آگاہ
اس خاک پہ کیوں رشک نہو چرخ بریں کو
گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمیں کو

گیسوئے مسلسل رخ روشن پہ ہیں چار — ہے آئینے عیاں سلسلۂ احمد مختار
یہ مصحف رخسار کی سطریں ہیں نمودار — ہیں معنی پیچیدہ کھلے گر تو ہو طومار
زلفوں میں کرو غور ذرا رخ کی ضیا کو
دیکھو شب معراج میں محبوب خدا کو

چہرے کو اگر صبح کہیں زلف کو گر رات — دن ہوتا ہے جب خلق سے کرتی ہے سفر رات
دنیا میں سدا شام سے ہے تا بہ سحر رات — یاں صبح میں خورشید ادھر رات ادھر رات
گیسوئے رسا روئے دل افروز بہم ہے
کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے

دنیا میں کوئی آج نہیں ثانئ اکبر — یوسف کی زبان پہ ہے ثنا خوانئ اکبر
یہ ماہ دو ہفتہ ہے کہ پیشانئ اکبر — خورشید ہے یا چہرۂ نورانئ اکبر
یہ جلوہ گری حسن کے پرتو میں نہیں ہے
ابرو میں جو خم ہے وہ کمانوں میں نہیں ہے

ابرو جو کماں ہیں تو ہیں مژگان ہیں تیر — ہے جن کے ہر اک گوشہ پہ قربان دل شبیر

ہے دیدہ و ابرو سے عیان جنگ کی تصویر　　دو مردم خونریز ہین کھینچے ہوے شمشیر

اس کے کھین تو کون آنکھ ملا سکتا ہے رن مین

اُلٹین گی صفین فوج کی اک چشم زدن مین

آغاز ہے سبزہ انھین اٹھاروان ہے سال　　کس فصل مین اس گل کو خزان کرتی ہے پامال

اک نور مجسم ہے زہے حشمت و اجلال　　خورشید پہ نقطے ہین کہ رخسارون پہ ہین خال

سیارے ہون اسپند جو سارے تو بجا ہے

تارون کو فلک اُن پہ اُتارے تو بجا ہے

سبزہ رخ گلگون پہ نکلنے نہین پایا　　یہ نخل ذرا پھولنے پھلنے نہین پایا

موسم بھی لڑکپن کا بدلنے نہین پایا　　ہاتھون مین حنا بیاہ کی ملنے نہین پایا

چہرہ سے عیان ہے نہ جوانی مین کچھ کم ہے

دو سال ابھی عشرۂ ثانی مین بھی کم ہے

پستہ ہے کہ غنچہ ہے دہن عقل ہے یان گم　　لالے کی کلی مین نہین دیکھا یہ تبسم

دانتون کی چمک دیکھ کے ہنگام تکلم　　اشکون کی طرح آنکھ سے گر جاتے ہین انجم

تابش مین جو دندان شکن برق ہوے ہین

دریائے خجالت مین گہر غرق ہوے ہین

بے مثل ہے یہ گردن دیا زد و بر و دوش　　ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے اُڑے ہوش

ہے ضو سے ہتھیلی کی قمر ابر مین روپوش　　یہ انگلیان روشن ہین کہ شمعین ہوئین خاموش

ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا

شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

سینہ ہے وہ سینہ کہ جو کینے سے بری ہے　　نور اس مین ہے یا آئینہ مین عکس پری ہے

کب قرص مہ و مہر مین یہ جلوہ گری ہے　　یان روشنی طور چراغ سحری ہے

دیکھے جو اُسے علم کے گنجینے کو دیکھے
اس سینے کو جو دیکھے تو آئینے کو دیکھے

بے مثل ہے سینے کی طرح یہ شکم صاف ہے صاف تو یہ بات کہ دشوار ہیں اوصاف
دیکھیں جو نظر بھر کے اسے صاحبِ انصاف خورشید سے روشن ہے تو آئینے سے شفاف
ضو ایسی نہ آئینۂ مہتاب میں دیکھی
مخمل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی

ہیں اُن کے قدم راہ روِ جادۂ تسلیم ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں نہ ہے عزت و تکریم
ان قدموں پہ جو سر ہو وہ ہے لائق تعظیم ثابت قدمی اُن سے سدا پاتی ہے تعلیم
روشن جو زمیں ہے تو یہ پرتو ہے انھیں کا
جو راہِ خدا میں ہے وہ پیرو ہے انھیں کا

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو اُس کی تو بصارت نہیں اس کی نہیں ابرو
چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب سے ہے یہ رُو اس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سرخی نہ یہ خوشبو
بے بو ہے وہ اک پھول۔ یہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ ایک داغ لگا ہے

دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
یہ درِ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے تاروں کو بھی صدقے فلک اُن پر سے اتارے
کیا وصف کروں اُن کا سوا صلِّ علیٰ کے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے

لب کو جو کہا لعل یہ مضمون ہے بے رنگ اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہن تنگ
بولو لب جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ اعجاز مسیحا کا دکھائے تو کوئی رنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کے اوصاف کی ہم میں

یہ وہ ہیں کہ مردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں

قامت کو کہا سرو تو جال اُس میں کہاں ہے — یہ سیب ذقن یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
یہ حسن یہ صورت یہ جمال اُس میں کہاں ہے — یہ رعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر بو نہیں یا بد مزگی ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ اک شاخ لگی ہے

اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے — صحرائے کربلا نہیں دنیا کی جان ہے
اُترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے — رضوان نے دی ندا کہ خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ رخ خلف بو تراب کا
دیکھو اُلٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

نقش سم فرس کی ضیا پر کرو خیال — اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال — یاں ہے وہی عروج زہے حشمت و جلال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پہ
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلّی ہے طور پہ

آئینہ جبیں سے صفا آشکار ہے — ابرو سے ماہ رخ سے ضیا آشکار ہے
چشم گہر فشاں سے حیا آشکار ہے — رخ سے جلال شیر خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکیگا نہ منھ پر دلیر کے
چہرہ تو حور کا ہے یہ تیور ہیں شیر کے

نور جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا — چہرے نے حسن صبح صباحت دکھا دیا
ابرو نے رنگ تیغ شجاعت دکھا دیا — قامت نے سب کو طور قیامت دکھا دیا
جنگل کو بو سے گیسوئے مشکیں بسا گئی
کپڑوں سے نکہت گل فردوس آ گئی

اعجاز لب مین چشم مین سحرِ حلال ہے — پتلی نہین ہے چہرۂ یوسف کا خال ہے
تعریف کیا کرون کہ دہن بے مثال ہے — تقسیمِ جزوِ لایتجزّیٰ محال ہے
ٹھہرا لیا ہے نقطۂ فرضی دہن نہین
اسرارِ کردگار مین جائے سخن نہین

شیرین لبون کی مدح مین اپنا طبقہ ہے بند — لائیگا ہر سخن مین نمک یہ کہان سے قند
پھیکی جو بات ہو وہ زبان کو نہین پسند — عالم ہے ان کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
نہ قند مین یہ لطف نہ شاخِ نبات مین
صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات مین

بے مثل ہے خوشا دُرِ دندان کی آب و تاب — دُرِّ عدن کو دیتے ہین دندان شکن جواب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اختر میانِ خواب — طالع چمک گئے مہِ کنعان ملا خطاب
باتون مین لب جو ہلتے ہین اس خوش خصال کے
ہیرے کی چوٹ پڑتی ہے ٹکڑون پہ لال کے

روشن گرِ زمانہ ہے صبحِ گلو کا نور — دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
نورِ خدا کا صاف گریبان سے ہے ظہور — پروانۂ شمعِ حسن ہین جس کے چراغِ طور
بوسون کو عطر مین رنگی ہین ہونٹ چاٹ کے
پھولون نے جان دی ہے گلے کی لپٹ کاٹ کے

طاقت بھی اُنکے بازوون کا ایک نام ہے — زور اُن کا خانہ زاد و شہ زور غلام ہے
اقبال اُن کے گھر کا مدار المہام ہے — اُنکے جلو مین فتح و ظفر صبح و شام ہے
ہر دم قشون جاہ و حشم ساتھ رہتے ہین
نصرت کو اُن کی غاشیہ بردار کہتے ہین

میر صاحب نے صنائع لفظی پر زیادہ توجہ نہین کی۔ مراعات النظیر کی مثالین اُن کے کلام مین بعض جگہ پائی جاتی ہین۔ اس کو بھی وہ عیب سمجھتے تھے۔ کسی شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ "آپ رعایت لفظی کو پسند کرتے ہین" تو ارشاد ہوا "کیا کرون لکھنؤ مین رہنا ہے"۔

بعض شعرائے لکھنؤ نے بے نقط سلام اور مرثیے کہے تھے اس لیے میر صاحب کو بھی ایک مرثیہ مین چند بے نقط بند تصنیف فرمانا پڑے تاکہ نافہم یہ شک نہ کرین کہ ملک سخن کا خداوند صنائع لفظی کے استعمال سے عاجز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

— بے نقط —

وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا   معلوم ہو حملہ اسداللہ کا سارا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمر کو مارا   صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا
اللہ - گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اس دم ہوس ملک عدم ہو

سردار امم محرم اسرار محمدؐ   ہمسر و اسداللہ کا دلدار محمدؐ
دلدار و دل آرام مددگار محمدؐ   ممدوح ملک مالک سرکار محمدؐ
سرور کہو اسلام کا اس مالک کل کو
آرام دو اک دم دل سردار رسل کو

کس کا اسداللہ سا ہو والد مرحوم   حلال ہمہ مالک کل طاہر و معصوم
صدر رہ و سالار حرم دل سرور مہموم   آسودہ ہو ہر سالک گمراہ و محروم
معصوم کا دلدار ہو سالار امم ہو
اولاد کا اس عالم و عادل کو الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار   اس طرح کا عالم کا ممد اور مددگار
وہ مصدر الہام احد محرم اسرار   وہ اصل اصول کرم داور دادار

حاصل اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسداللہ کو مارا

علامہ شبلی نے اپنے "موازنہ" مین کلام انیس پر ایسا مفصل تبصرہ کیا ہے کہ اس بحث پر زیادہ لکھنا ممکن نہین۔ البتہ ادب اردو کے لیے مفید ہوگا اگر اس موقع پر بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایسے الفاظ و محاورات نقل کیے جاوین جن کے طرز استعمال مین میر صاحب جمہور سے اختلاف کرتے ہین یہ مسلم ہے کہ وہ اہل دہلی کے خلاف "فکر" اور "سانس" کو ہمیشہ مونث نظم کرتے ہین اور جگہ کو "جاگہ" بولتے ہین لیکن اشعار مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بیگمات کی خاص زبان کو ترجیح دیتے ہین اور استعمال فصحا کو قواعد کا پابند نہین سمجھتے۔

ردّ و بدل (مؤنث)

وہ جھوڑ ہین تو یہ سپر آہنین مین تھی   اُس رن غضب کی ردو بدل کفر دین مین تھی

حلق (مذکر)

آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریبان پھٹین گے   اٹھارہ بنی فاطمہ کے حلق کٹین گے

حرم۔ ناموس (مذکر)

ناموس مصطفےٰؐ سے روکا کیے کمال   لیکن رُکا کسی سے نہ ہرگز وہ خوردسال

۔ایضاً۔

ڈیوڑھی پہ جو ناقون کو بٹھایا حرم اُترے   بچے لیے ناموس امام امم اُترے

تبرّکات (واحد)

موقع نہین بہن ابھی فریاد و آہ کا   لاؤ تبرّکات رسالت پناہ کا

قامت (مؤنث)

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی
اسداللہ کی تصویر تھے صورت ایسی

مقال (مذکر)

بی بیون سے کیا زینب نے جو روکر یہ مقال — صفِ ماتم سے وہ گھبرا کے اُٹھین سب بے الحال

جھانجھ (مذکر)

سنکر دہل کا شور کلیجے دہلتے تھے — تھرا کے جھانجھ بھی کف افسوس ملتے تھے

چکاچوند (بمعنی چکاچوندمین مبتلا)

ان چاند سے چہرون کا جو ہے عکس زمین پر — خورشید چکاچوند ہے وان عرشِ برین پر

والدہ صاحب (بجاے صاحبہ)

دونون نے کہا جوڑ کے ہاتھون کو یہ اک بار — اے والدہ صاحب یہ نہ فرمائیے زنہار

بغی (بجائے باغی)

تب اُس لعین نے چین بجبین ہو کے یہ کہا — حاکم سے جو بغی ہو تجھے اُس سے کام کیا

خوشی ہونا (خوش ہونے کی جگہ)

مادر کے رخِ پاک کو تکنے لگے اصغرؑ — جھولے مین خوشی ہو کے ہمکنے لگے اصغرؑ

ایضاً

اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شیرین

باری (بجائے بار)

آتش مین صفِ لشکر ناری نظر آئی — حملون مین قیامت کئی باری نظر آئی

شکریہ (بغیر تشدید یا)

فرماتے تھے ہر بار کہ جو مرضیِ باری — گہ شکریہ کرتے تھے کبھی گریہ وزاری

اُتارا۔ فوج آئی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا — ہوگا لبِ جو شام کے لشکر کا اُتارا

ہتو انسنا

ہتو انس کے تیغ و سپر اکبرؑ یہ پکارے — کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منہ پہ ہمارے

شمشیر اُگلنا۔

کس قہر سے دیکھا طرفِ لشکرِ بے پیر
بل آگیا ابرو پہ اُگلنے لگے شمشیر

جو اگر (جو زائد)

خادم شہِ دین کے ہیں تو عباسِ علی ہیں
اس عہدہ کے لایق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

سجائی۔ (سجادت کی جگہ)

ع چہرہ کی سجائی سے قبا جست ہے تن کی

گودی (گود کی جگہ)

ع گودی میں گئی باپ کے گھبرا کے وہ بے آس

کمرون (بسکون میم)

ع کمرون کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

رُندھنا (افسردہ و دلگیر ہونا)

کرتی تھی بیان زوجۂ مسلم یہی پیہم
کیا ہے کہ رُندھی جاتی ہون گھٹتا ہے مرا دم

خشکیدہ (سوکھی)

ع خشکیدہ زبانون پہ سخن شکر کا جاری

گھمسان کرنا۔

جس صف پہ چمک کر گری گھمسان کر آئی
جمعیتِ اعدا کو پریشان کر آئی

دل رُندھ جانا

دل رُندھ گئے تھے تیر گئے دشتِ بلا سے
روتے تھے حرم خیمہ میں بیٹھے ہوے پیاسے

وَر (بمعنی غالب)

طینت میں وفا رخ پہ شجاعت کے اثر تھے
گنتی میں بہتّر تھے مگر لاکھ پہ وَر تھے

شمشیر کرنا (یعنی تلوار چلانا)

مین سوا جاتا ہون للہ نہ شمشیر کرو — بخشوانے کی گنہگارون کی تدبیر کرو

تر بھر —

تر بھر تمام ہو گئی وہ شام کی سیاہ — پہونچا کچھار مین پسرِ ضیغم آکے

قرق (بمعنی روک۔ بندش۔ مناہی)

پانی کا قرق خاص ہے مجھ دل فگار پر — کھائیگا کیا نہ کوئی ترس شیرخوار پر

کاہیکا —

پیاسے ہین تین دن سے امام فلک وقار — کاہیکا ہے یہ خوف بڑھو بہر کارزار

حق بطرف —

شہ کا تو حق بطرف ہے کہ بھائی ایسا — حسن سے جسکے منور ہوا میدانِ وغا

گھنیری (گھنی جگہ)

وان یہ گلرو ہون جہان چھاؤن گھنیری ہوئے — عمر بھر گرم نہین دیکھین تو نہ سیری ہوئے

نراسا (بمعنی مایوس)

اُس طرف سے وہ پریشان نراسے بھی بڑھے — تیغیں تول کے حیدرؑ کے نواسے بھی بڑھے

کُلّھم —

سب آزمودہ کار توی تن جوان ہین — اور کُلّھم ادھر تو بہتّر جوان ہین

کمتی —

کمتی تھی بس اسی کی ہماری سپاہ مین — پہلے شہید ہوگا یہی حق کی راہ مین

علامہ شبلی نے "موازنہ" مین اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ "کمتی" اراذل و انفار کی زبان ہے، لیکن محلات شاہی مین یہ لفظ برابر استعمال کیا جاتا تھا۔ اور لکھنؤ کی شریف زادیان ہنوز اس لفظ کو بے تکلف بولتی ہین۔ میر انیس نے یہ لفظ مختلف موقعون پر استعمال کیا ہے اور

میر صاحب کا کسی لفظ کے نظم کرنے پر اصرار کرنا اُس کی فصاحت کی کافی دلیل ہے بقول بحر لکھنوی

بیرونیوں کو چاہیے تقلیدِ لکھنؤ
ہم خود سند ہیں ہم کو سند کیا ضرور ہے

ناظرین کتاب یہ نکتہ فراموش نہ کریں کہ میر انیس کا کلام تقریباً نصف صدی کی زبان کا مجموعہ ہے۔ بعض الفاظ و محاورات جو اُن کی نوعمری میں مستعمل تھے پختہ مشقی کے دور تک باقی نہیں رہے اور اُن کی پیرانہ سالی میں زبانِ اردو بہت صاف و شستہ ہو چکی تھی۔

ابتدائی کلام میں بہت سے ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کو آخر زمانہ میں اُنھوں نے ترک کر دیا تھا۔ علاوہ اس کے اُن کے مطبوعہ کلیات میں اغلاط کتابت اور تحریفات کو بھی کافی دخل ہے۔ اس لیے جب تک کوئی انوکھا محاورہ کلیات میں متعدد مقامات پر نہ دیکھا جائے اور آخری زمانہ کے کلام میں بھی نہ پایا جائے بطور سند کے نہیں پیش کیا جا سکتا۔

عرصہ ہوا مولوی عبدالغفور نسّاخ نے ایک رسالہ میر انیس اور مرزا دبیر کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا۔ اور میر صاحب کے کلام پر بعض اعتراضات بڑے زور شور سے کیے تھے لیکن اُن میں سے بیشتر کی بنیاد یہ غلط فہمی تھی کہ اُنھوں نے کتابت کی غلطیوں کو میر صاحب کی طرف منسوب کیا۔

مثلاً میر صاحب کا ایک مصرعہ ہے۔ "بیوہ ہوئی ایک رات کی بیاہی ہوئی دختر" یہ کلیات میں اس طرح چھپا۔ "رانڈ ہوتی ہے ایک رات کی بیاہی ہوئی دختر" نسّاخ کو اعتراض کا موقع ملا کہ حروف تقطیع میں گرتے ہیں!! ۔ یا میر صاحب نے فرمایا تھا "ہو مغفرت خلیق کی یا خالق الانام" کلیات میں شائع ہوا ۔ "ہو مغفرت خلیق کی یا ربّ ذوالکرام" اور معترض کو یہ لکھنے کا موقع ملا کہ "ذوالکرام" مہمل لفظ ہے!!

سب سے بڑھ کر ستم یہ کہ میر صاحب کا مصرعۂ ذیل

اُٹھا یہ سخن کہکے وہ کونین کا والی

کلیات میں اس طرح چھپ گیا۔

اُترا یہ سخن کہکے وہ کونین کا عالی

"واو" کی جگہ "عین" نے لی اور معترض کو طومار اغلاط میں ایک نمبر بڑھانے کے لیے روشنائی ہاتھ آئی۔ اعتراض جڑ دیا کہ "کونین کا عالی" غلط ہے۔!!!

اسی قسم کے بے بنیاد اعتراضات مرزا دبیر کے کلام پر بھی کیے گئے تھے مگر بعد کو اُن کے ایک قدر شناس نے "دفتر ماتم" کا فی صحت و اہتمام سے شائع کیا اور معترض کی زبان بندی کر دی۔ افسوس ہے میر صاحب کا کلیات ہنوز اغلاط کتابت سے صاف نہیں ہوا۔ حال میں نظامی پریس بدایون سے جو ایک جدید اڈیشن کلیات کا بڑی آب و تاب سے شائع کیا گیا ہے اُس میں بھی وہ تمام غلطیاں دور نہیں کی گئیں جن کی طرف مرزا محمد رضا متخلص بہ معجز نے تطہیر الاوساخ میں اشارہ کیا تھا۔ یہ کتاب اعتراضات نساخ کے جواب میں شعلۂ طور کانپور سے ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوئی تھی اور اب کمیاب ہے۔ چند روز میں یہ مفید رسالہ تلاش سے بھی نہ ملیگا۔ اور آیندہ نسل سمجھے گی کہ میر انیس نے واقعی "رب ذو الکرام" ہی نظم کیا ہوگا۔ نظامی پریس نے وفاداریِ سلطنت کے جوش میں میر صاحب کے کلام پر اصلاح دینے میں بھی تامل نہیں کیا ہے۔ انتزاع سلطنت اودھ سے دل شکستہ ہو کر میر صاحب نے ایک رباعی کہی تھی جس کا پہلا شعر ہے۔

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے — جب ملک کو یوں غنیم برباد کرے

غنیم کا لفظ نظامی پریس کو ناگوار ہے۔ اس لیے یوں اصلاح دیجاتی ہے۔

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے — جب ملک کو چرخِ سیہ برباد کرے

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

المختصر میر انیس سادگی بیان۔ شیرینیِ زبان۔ صفائی روزمرہ۔ خوبی بندش میں بے مثل اور مصوری واقعہ نگاری میں لاجواب اور حفظ مراتب میں بے نظیر تھے۔ نازک خیالی اُن کا

حصہ تھا اور کشش تاثیر سے تو شاید ہی کوئی بند اُن کا خالی ہوتا ہو۔

انگلستان کے مشہور سخن سنج ملٹن نے کہا تھا کہ "بہترین نظم وہ ہے جس مین سادگی نازک خیالی اور تاثیر ہو" یہ تمام اوصاف اس خوبی سے کلام انیس مین خود بخود جمع ہو گئے ہین کہ ایک ظریف کے قول کے مطابق ملٹن کے مقولہ کو زمانۂ حال مین یون ترمیم کرنا چاہیے کہ "بہترین نظم وہ ہے جو جناب انیس کی زبانِ مبارک سے نکلی ہو"

اُن کا پاکیزہ کلام بہترین اصناف سخن کا جامع ہے۔ اُس مین ڈراما بھی ہے اور ایک بھی۔ تشبیب و غزل ہے۔ اور رباعی مسدس بھی۔ واقعہ نگاری ہے اور اظہار جذبات بھی۔ بلاغت کا انداز ہے اور فصاحت بھی۔ استعارات و تشبیہات ہین اور صنائع و بدائع بھی مناظر قدرت کے فوٹو ہین اور خیال آفرینی بھی۔ فخر و خودستائی ہے اور عجز و انکسار بھی۔ رزم و بزم ہے اور اصلاح اخلاق بھی۔ محاورہ بندی روزمرّہ ہے۔ اور توازن و تناسب الفاظ بھی مولانا حالی نے خوب کہا ہے :۔

اردو کو رواج چار سو تیرا ہے   شہرون مین رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیس کا سخن باقی ہے   تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

خاتمہ

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر   اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
توفیق کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر   گمنام کو اعجاز بیانون مین رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میری قلمرو سے نہ جائے
اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری   بلبل کی زبان پر ہے تری شکرگزاری

ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری پھل ہمکو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہون عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولون کی بو کو

بندۂ ناچیز نے مختلف کیاریون سے پھول چن کر گلدستہ بنایا اور شہریاران اقلیم فصاحت کی سرکار مین نذر کرنے کو لے چلا۔ غمازون نے پردہ دری کی۔

اپنی تصویر پہ نازان ہو تمھارا کیا ہے آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری

کلیان اشہری کے گلزار سے چنین۔ گلہائے شگفتہ احسن کے لالہ زار سے توڑے۔ پتیان ثابت کے سدابہار سے لین۔ بندش شبلی کے مرغزار سے اڑائی۔ سوت کا ڈورا لیکر یوسف کی خریداری کو جاتا ہے۔ ہاتف غیب نے آواز دی کہ۔

حاسد کا دل جلے نہ توارد کے داغ سے روشن چراغ ہوتے ہین نظم۔ اک چراغ سے

سادہ کار دوسرے کی انگوٹھی پر نگینہ جڑتا ہے اور انعام پاتا ہے۔ ساقی۔ پیر مغان کی شراب اندازے پلاتا ہے اور دعائین لیتا ہے۔ مرقع ساز پرائی تصویر چوکھٹے مین سجاتا اور صنّاع کہلاتا ہے۔ باغبان روشون کو جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کرتا۔ پھول پتی کے خوبصورت چمن جدا جدا بناتا۔ سرو و شمشاد کے پودے مختلف مقامات سے لاکر قرینہ قرینہ سے لگاتا اور تمغۂ امتیاز پاتا ہے۔ سلیقہ شعار سکریٹری ڈرائنگ روم کے دروازون پہ گوہر نگار پردے آویزان کراتا۔ دیوارون پر نقش و نگار بنواتا۔ کمرے کو جھاڑ فانوس کنول سے دلہن بنا دیتا ہے اور خطاب پاتا ہے۔

کیا عجب ہے کہ حضرت ممدوح کے فیض نسبت سے خار خطا پر صلاح و صواب کا دامن سایہ گستر ہو اور آب قبول کے چھینٹون سے مرجھائے ہوئے پھولون مین وہ مہک پیدا ہو کہ اُن کی خوشبو مدت تک قدرشناسون کے دماغ کو طبلۂ عطار بنائے رکھے۔

غارت بت خانۂ چین کردہ ام امیر احمد علوی نیپچ چھاؤنی
تا صنمے چند گزین کردہ ام

۱۵ اگست سنہ ۱۹۲۵ عیسوی ۲۳۔ محرم سنہ ۱۳۴۴ھ